

عمران سیریز



بی ہائیو کیپ

اظہر کلیم





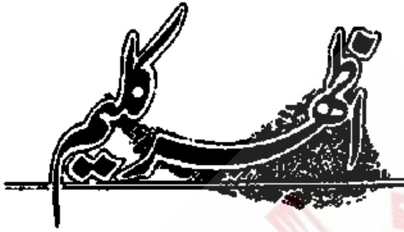






عمران سیریز کا ایک مکمل ناول

قارئین کی فرمائش پر بطورِ خاص
سدا بہار کردار عمران پر ایک دلچسپ تحریر



عمران پر آج کل کھانا پکانے کا بھوت سوار تھا۔ بازار سے مزیدار پکوان نامی کتاب گھر آئی تو باورچی خانے سے سلیمان کو نکالا مل گیا۔ ریڈیو پر بھی اکثر کھانے وغیرہ پکانے کی ترکیبیں نشر ہوتی رہتی تھیں اس لیے کچن میں ایک عدد ریڈیو سیٹ کی موجودگی بھی ضروری خیال کی گئی تھی۔ آج ریڈیو پر ایک محترمہ نے شامی کباب بنانے کی ترکیب بتانا شروع کی تو عمران کھانا پکانے کا جملہ سامان پھیلائے، کسی گھرستن کی طرح کچن میں بیٹھا ہوا تھا۔ ویسے بھی آج اُس کے پروگرام میں شامی کباب بنانا شامل تھا۔ وہ جلدی سے قلم سنبھال کر ترکیب لکھنے لگا۔

"ایک پاؤ قیمہ اور آدھ پاؤ دال کو جملہ مسالہ جات کے ساتھ اُبال لیجیے۔" ریڈیو پروگرام کہہ رہی تھی۔

"اب آپ اُٹھ کر ایک دو لمبے لمبے سانس لیں۔" ایک مردانہ آواز اُبھری۔

"جب قیمہ اور چنے کی دال اچھی طرح گل جائے تو دیگچی نیچے اُتار لیں۔" نسوانی آواز نے کہا۔

"دونوں ہاتھ اُٹھا لیں اور پنجوں کے بل کھڑے ہو کر پھر ایک طویل سانس لیجیے اور اسے آہستہ آہستہ ناک سے خارج کیجیے۔" مردانہ آواز کہہ رہی تھی۔

عمران بڑے ہی انہماک سے لکھتا رہا حتیٰ کہ کباب بنانے کی ترکیب ختم ہو گئی لیکن مردانہ آواز اب ڈنٹر پیلنے کا مشورہ دے رہی تھی عمران نے اُلوؤں کی طرح دیدے گھما کر ریڈیو کی طرف دیکھا۔ جہاں دو ریڈیو اسٹیشنوں کی آوازیں گڈمڈ ہو کر سنائی دے رہی تھیں۔

"ابے سلیمان بھائی۔ پیارے سلیمان۔"

"جی صاحب۔" سلیمان اس کی پہلی ہی آواز پر سرپٹ دوڑتا ہوا کچن میں آ گیا۔ "فرمائیے کیوں یاد کر رہے ہیں؟"

"یعنی تم کوئی محبوبۂ دل نواز ہو۔ ابے میں تمہیں کیوں یاد کروں گا؟" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا مطلب تھا آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟"

"بس بُلایا ہے۔ ہماری مرضی۔ ہم سو مرتبہ بُلائیں گے۔"



"تو ٹھیک ہے" میں ڈرائنگ روم میں ہوں، آپ بلاتے رہیے۔" سلیمان یہ کہہ کر لٹو کی طرح گھوما اور واپس چلا گیا۔

عمران نے ایک مرتبہ پھر کباب بنانے کی ترکیب پر نظریں گاڑ دیں اور پھر کھوپڑی کا عقبی حصہ سہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا رخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔ اندر گھستے ہی اس نے کبابوں کی ترکیب والا کاغذ سلیمان کی طرف بڑھایا اور بولا۔

"لو پیارے، جلدی سے شامی کباب بناؤ۔ ترکیب کے عین مطابق عمل کرنا۔ سمجھ گئے؟"

"صاحب، ان کتابوں میں بھلا کیا ترکیبیں ہوں گی۔" سلیمان نے برا سا منہ بنا کر ٹالنے کی کوشش کی۔

"ہائیں، یعنی یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ میں نے یہ ترکیب ریڈیو سے سن کر لکھی ہے، ملاحظہ کرو۔"

سلیمان نے پرچہ لے لیا۔ اور جیسے جیسے پڑھتا گیا اس کی بھویں کمان ہوتی چلی گئیں۔ "یہ... یہ... ترکیب ہے!" وہ ہکلایا۔

"اور نہیں تو کیا ہے؟" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"لیکن اس میں یہ ورزش کرنے کے لیے کیوں لکھا ہے؟"

"یہ ترکیب ایک پہلوان کی بھتیجی کی خالہ کی لڑکی نے ریڈیو سے نشر کی ہے۔ میرا مطلب ہے، اس طرح جو کباب تیار ہوں گے، انھیں کھا کر کسی کو بھی فری اسٹائل کا چیلنج کرنے کی ہمت پیدا ہو سکے گی۔"

"صاحب ایک بات کہوں؟"

"ضرور کہو۔" عمران نے فراخ دلی سے کہا۔

"میرا استعفا قبول کر لیں۔" سلیمان نے دھماکا کر دیا۔

"کک۔ کیوں۔ کیا تو بھی وزارت کا امیدوار ہے۔ بہت ماروں گا، اگر ایسی کسی حرکت کے لیے مغز ماری کی۔ چل اٹھ، کباب بنا۔" عمران نے یہ کہہ کر سلیمان کو کچن کی طرف دھکیل دیا اور خود اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ ابھی وہ شہ سرخی ہی دیکھ پایا تھا کہ سلیمان کی ہی ہی سنائی دی۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیوں، دانت کیوں نکال رہا ہے۔ منہ بند کر، ورنہ قطب شمالی بھیج دوں گا۔" عمران بری طرح دھاڑا۔

سلیمان کا منہ بند ہو گیا۔ "صاحب، ہی ہی... کیا آپ نے وہ اشتہار پڑھا؟"

"کون سا اشتہار۔ کیا تو نے کوئی اشتہار بھی دے رکھا ہے؟"

"نہیں صاحب، سرائے گراتو میں زبردست فیشن شو ہو رہا ہے۔"

"پھر...؟" عمران نے دیدے نچائے۔

"اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے بھی ایک میز مخصوص کروا لوں۔"

"ہوں... لیکن فیشن شو میں کیا دیکھو گے؟"

"ہی ہی۔ فیشن کا تو نام ہے، صاحب۔ ماڈل لڑکیاں، ہی ہی..." سلیمان نے سسکی بھری۔

"لے کنوارے باورچی۔ کیوں مضر جراثیموں کو دعوت دیتا ہے۔" عمران کراہ کر بولا۔

سلیمان نے فوراً ہی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "صاحب، ایک چیز تو آپ کے کام کی بھی ہے۔"

"کک... کیا مطلب۔ کیا کوئی ماڈل گرل؟"

"نہیں صاحب، ایک زبردست نشانے باز آیا ہوا ہے۔"

"ارے وہ ضرور کیوپڈ ہوگا۔ بچپن میں ہم دونوں ایک ہی لنگوٹی باری باری باندھ کر گھوما کرتے تھے۔" عمران نے خوشی سے جھومتے ہوئے انکشاف کیا۔

"بالکل غلط۔ وہ تو نیوزی لینڈ کا باشندہ ہے۔"

"تم کیسے جانتے ہو؟" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"اشتہار پڑھ لیں تو سب کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔" سلیمان نے مشورہ دیا۔

عمران نے اخبار لے کر اشتہار دیکھا تو چونک پڑا۔ سرائے گراتو میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا فیشن شو تھا۔ لیکن وہاں نشانے بازی کی تو کبھی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ نہ جانے سرائے گراتو کی انتظامیہ نے حکومت سے اس خطرناک مقابلے کی اجازت کس طرح حاصل کر لی تھی۔

عمران بارہا سرائے گراتو میں جا چکا تھا۔

مادام گراتو خاصے تن و توش کی صحت مند ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ وہ اکثر غیر ملکی طائفوں کو مدعو کرتی رہتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے نشانے بازی جیسا خطرناک آئیٹم کبھی پیش نہیں کیا گیا تھا' شاید اسی لیے عمران کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی اور وہ گہری توجہ سے اشتہار پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

عمران کو غیر معمولی سنجیدہ دیکھ کر سلیمان نے پہلے اسے چھیڑنے کا ارادہ کیا لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس طرح وہ کسی نہ کسی مصیبت ہی کو دعوت دے بیٹھے گا لہٰذا وہ منہ پھلائے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

سینڈل پرانٹو' نیوزی لینڈ کا باشندہ تھا۔ اسے نشانے بازی میں عالم گیر شہرت حاصل تھی۔ پوری دنیا میں' آواز پر نشانہ لگانے میں' اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ عمران بارہا اس کے بارے میں سن چکا تھا۔ وہ اس کا کوئی مظاہرہ دیکھنے کے لیے بے چین ہو گیا۔

اگلے ہی لمحے وہ فون پر اپنے لیے میز مخصوص کروا رہا تھا۔

اتفاق سے کچھ میزیں خالی تھیں اس لیے ریزرویشن میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ ریسیور رکھ کر وہ ایک مرتبہ پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر غور و فکر کی سلوٹیں اس کی پیشانی پر موجود رہیں پھر وہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جلدی جلدی جولیا کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

"جولیا نافٹز واٹر پلیز۔" دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

"ایکسٹو۔" وہ مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"یس سر۔ ایٹ یور سروس۔"

"سرائے گراتو میں ایک غیر ملکی طائفہ آیا ہے' اس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔"

"او کے سر۔ دو گھنٹے بعد رپورٹ پیش کر دوں گی۔"

"اور ہاں۔ نیوزی لینڈ کے ماہر نشانے باز سینڈل پرانٹو کے سلسلے میں خصوصی جانچ پڑتال کی جائے۔ میں تمہاری کال کا منتظر ہوں۔" عمران نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سلیمان کو آوازیں دینے لگا۔

غالباً چوتھی پکار پر سلیمان منہ پھلائے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"یہ منہ میں کیا ڈال رکھا ہے۔" عمران غرایا۔

سلیمان نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ہائیں۔ کیا داڑھ میں تکلیف ہے' پیارے۔"

"جائیے' میں آپ سے نہیں بولتا۔" سلیمان نے پھولے ہوئے منہ سے بالکل کسی روٹھے ہوئے بچے کی نقل اتاری۔

"یعنی بالکل بیویوں کی طرح... کھال گرا دوں گا۔ ہاں۔"

"صاحب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس سینڈو پرانٹو کو چیلنج کر دوں گا۔" سلیمان نے اچانک اس کی طرف مڑ کر مستحکم لہجے میں کہا۔

"یہ سینڈو پرانٹو کون ذاتِ شریف ہیں۔" عمران کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"شریف ہے! سالا۔ بالکل لفنگا لگتا ہے۔ آپ نے تصویر تو دیکھی ہو گی۔ اشتہار کے نیچے اس کی تصویر بھی چھپی ہے۔" سلیمان نے غرا کر کہا۔

"ابے بھائی اس کا نام سینڈل پرانٹو ہے۔" عمران نے کراہ کر تصحیح کی۔

"سینڈل۔ ہی ہی۔" سلیمان ہنسنے لگا۔ "صاحب یہ گورے کتنے شوقین مزاج ہوتے ہیں۔ اب بتائیے' نام ہی سینڈل رکھ لیا۔ ہی ہی..."

"لیکن تم تو اسے چیلنج کرنے جا رہے تھے۔" عمران نے اسے پھسلتے دیکھا تو توجہ مبذول کروائی۔

"ہاں صاحب۔ مجھے معلوم ہوا کہ ہار جانے والے کو بھی خاصی رقم ملتی ہے۔ نہ جانے کس نے بتایا تھا کہ ایک بار کسی شخص نے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن کو چیلنج کر دیا تھا۔"

"کیا... ؟" عمران نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں صاحب' اس کے ہونے والے سسر نے صاف کہہ دیا تھا کہ ایک ہفتے میں دس ہزار روپے کا بندوبست کرو' ورنہ رشتہ منسوخ سمجھو۔"

"پھ پھر... پھر۔" عمران تھوک نگل کر رہ گیا۔

"بس اس نے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن کو چیلنج کر دیا۔ چیمپئن نے جب ایک عام آدمی کو مقابلے میں

اُترتے دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ اُسے نہ جانے کیا بلا سمجھا۔ شاید چھپا رستم سمجھ کر ڈر گیا ہوگا، بہر حال جیسے ہی مقابلہ شروع ہوا، اُس نے پوری قوت سے ایک گھونسہ، چیلنج کرنے والے کے پیٹ میں مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔"

"تو کیا تمہارا ابھی مرحوم ہونے کا ارادہ ہے؟" عمران کے لہجے میں تشویش تھی

"ارے وہ تو بے وقوف تھا۔ میں اس نشانے باز سے مل کر پہلے بات چیت کر لوں گا۔ میں اپنی آمدنی کا آدھا حصہ اسے صرف اس لیے دینے پر آمادہ ہوں کہ وہ مجھے زخمی نہ کرے۔"

"ہوں، ایک سو دس بیٹھکیں... جلدی۔ چل شروع ہو جا۔ ابے تو مجھے مروانا چاہتا ہے۔" عمران غرّا کر پلٹا۔

سلیمان فوراً ہی فرش پر دو زانو ہو گیا اور لگا، منت سماجت کرنے لیکن جان بخشی کی کوئی صورت نہ نکلی تو مُردہ دلی سے بیٹھکیں نکالنے لگا۔ ساتھ ہی بلند آواز میں گنتی بھی شروع ہو گئی۔ "ایک... دو... تین... چھ... بارہ... چوبیس۔"

"بائیں... یہ کون سی گنتی ہے۔ ابے ابھی چھ ہی دفعہ تو جھکا ہے نیچے اور بیٹھکیں چوبیس بھی ہو گئیں۔" عمران حیرت سے منہ پھاڑ کر بولا۔

"کیوں نہیں صاحب۔ پہلے میں نے ایک بیٹھک لگائی۔ ٹھیک ہے ناں؟"

"ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے۔"

"پھر دو عدد بیٹھکیں لگائیں۔" سلیمان رک کر اسے سمجھانے لگا۔

"بالکل ٹھیک۔"

"اب بتائیے کُل کتنی ہوئیں۔ تین ہوئیں نا۔ اس کے بعد چھ اور پھر بارہ۔ چھ اور چھ بارہ ہی ہوتے ہیں، صاحب۔"

"ہاں ہوتے تو بارہ ہی ہیں۔" عمران پُرسوچ لہجے میں بولا۔ پھر چونک کر اس بلب کی طرف دیکھنے لگا۔ جو فون پر آنے والی کال کی اطلاع دیتا تھا۔ اس نے فون کا ریسیور اُٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایکسٹو۔"

"جولیا دس سائڈ۔ میں نے مکمل معلومات کر لی ہیں۔ یہ طائفہ نیوزی لینڈ کے سفارت خانے کی سفارش پر یہاں مدعو کیا گیا ہے۔ سفیر سے مادام گراتو کے تعلقات بہت اچھے ہیں اس لیے سرائے گراتو کا ہال نشانے بازی کے مظاہرے اور فیشن پریڈ کے لیے منتخب ہُوا ہے۔"

"ہوں... اور سینڈل پرانٹو۔"

"وہ اس وقت عالمی ٹور پر ہے، جناب۔ اتفاق سے وہ ان دنوں یہیں تھا۔ نیوزی لینڈ کا سفیر اس کا مداح ہے اس لیے اس نے نشانے بازی کے فن کا مظاہرہ کرنے کی درخواست کی جسے اس نے قبول کر لیا۔"

"ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔" عمران نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور مسکرانے لگا۔ اگلے ہی لمحے وہ باہر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

نیوزی لینڈ سے جو طائفہ ان دنوں دارالحکومت آیا ہُوا تھا، ایک مقامی فرم نے اپنے ملبوسات کی نمائش کے لیے ان کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ اس لیے رقص و سُرود کی محفل، فیشن شو میں بدل گئی۔ اس غیر ملکی طائفے میں ایک جاپانی رقاصہ، نوریکو بھی شامل تھی۔ انتظامیہ نے نوریکو کے رقص کا ایک ایسا زاویہ پیش کیا تھا کہ دارالحکومت کا ہر شخص اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔

جولیا نے رات ہی عمران سے سرائے گراتو جانے کی اجازت لے لی تھی... عمران نے بحیثیت ایکسٹو، اُسے اجازت دیتے ہوئے اس بات کی سختی سے تاکید کر دی تھی کہ سیکرٹ سروس کے ممبران میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے مل کر نہیں بیٹھے گا۔

جس وقت عمران سرائے گراتو پہنچا تو پارکنگ میں اس کی دقیانوسی ٹوسیٹر کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ ٹوسیٹر تو درکنار وہاں تِل دھرنے کی بھی جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ عمران نے گاڑی باہر ہی چھوڑ دی۔ وہ بڑے پُروقار انداز سے نیچے اترا اور آہستہ آہستہ چلتا ہُوا ہال کی طرف بڑھ گیا۔

سرائے گراتو کا نام سن کر ذہن میں کسی پرانی سی پسوؤں بھری سرائے کا نقشہ ابھر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ سرائے' دارالحکومت کے گنے چنے بڑے ہوٹلوں میں سے ایک تھی۔ شاید اس کی مالکہ نے ازراہِ انکسار' ہوٹل کو سرائے کا نام دے دیا تھا۔ بہرحال' وہ ایک جدید ترین ہوٹل تھا جو اپنے گوناگوں پروگراموں کی وجہ سے مشہور تھا۔ چونکہ ان پروگراموں کے لیے ایک بہت بڑا ہال موجود تھا اس لیے لوگوں کو کوئی پروگرام دیکھنے میں بہت کم مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

عمران جیسے ہی ہال کے دروازے پر نمودار ہوا کئی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں اور لوگوں کے ہونٹ بے ساختہ مسکراہٹوں سے پھیل گئے۔ اس کے جسم پر سبز رنگ کا بہترین تراش کا سوٹ تھا۔ سبز رنگ کی نکٹائی تھی جس کے درمیان سفید پیوند تھا۔ ایک پاؤں میں سفید پمپ شو اور دوسرے میں چمچماتا ہوا سیاہ نوک دار بوٹ تھا۔ کوٹ کے بٹن بند ہونے کے باوجود زرد قمیص دکھائی دے رہی تھی اور سب سے زیادہ اہم چیز وہ بڑا سا پگھڑ تھا جس کا ہاتھ بھر لمبا طرہ کلف کی وجہ سے اکڑا ہوا الگ ہی بہار دکھا رہا تھا۔

ہال میں لوگ مختلف مشروبات سے شغل کر رہے تھے اور فیشن پریڈ کے انتظار میں باتوں کا خفیف سا شور ماحول پر مسلط تھا۔ لیکن عمران کی آمد پر ہر شخص کی نگاہ اس پر جم گئی اور پھر ہال میں دبی دبی ہنسی اور سرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔

عمران آس پاس سے لاپروا اکڑتا ہوا ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتا رہا۔ غالباً اسے اپنی میز کی تلاش تھی۔ فوراً ہی ایک ویٹر بوکھلایا ہوا اس کے قریب آگیا۔

"فرمائیے جناب۔"

"میز نمبر ایک سو تیرہ۔" عمران نے بڑے طمطراق سے کہا۔

"اوہ۔ آیئے۔ میرے ساتھ آیئے۔"

وہ اسے لے کر مخصوص میز کی طرف بڑھ گیا۔ عمران کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا ویٹر کے پیچھے چل پڑا۔ اپنی میز تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے تمام ماتحتوں کو مختلف میزوں پر دیکھ چکا تھا۔ دل ہی دل

میں اس نے ایک قہقہہ لگایا کیونکہ تقریباً ہر ممبر کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ جولیا کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ محاورے والے خون کے گھونٹ بھی پی رہی ہو۔

ویٹر عمران کو میز پر پہنچا کر مزید کچھ کہے سُنے بغیر ایک طرف چلا گیا۔

عمران کی نشست ہال کے اس حصّے میں تھی جہاں شہر کے متمول لوگوں کے لیے خصوصی نشستوں کا انتظام تھا۔ اس نے سیٹ پر بیٹھتے ہی اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں تو چونک پڑا۔ لمحہ بھر میں اس کے سارے جسم پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ برابر کی نشست پر رحمان صاحب غضب ناک نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے۔ عمران کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس فیشن شو کو دیکھنے آسکتے ہیں۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ سمجھ گیا کہ رحمان صاحب وہاں کیوں آئے ہیں۔ ان کے برابر والی نشست پر نیوزی لینڈ کا سفیر اور سر سلطان بھی موجود تھے۔ غالباً انہی کی ضد پر رحمان صاحب چلے آئے ہوں گے۔

"فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔" رحمان صاحب دھاڑے۔ اگرچہ ان کی آواز بہت مدھم تھی پھر بھی سفیر اور سر سلطان ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ سر سلطان کی نگاہ جیسے ہی عمران پر پڑی، وہ چونک پڑے اور اگلے ہی لمحے ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بکھر گئے۔ ظاہر ہے عمران کی ہیئت کذائی انھیں بھی کھل گئی تھی۔

"میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔" رحمان صاحب کے لہجے میں سختی عود کر آئی۔

عمران بوکھلا کر سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "مم... معاف کیجیے گا، میں نے آپ کو پہچانا نہیں ڈیڈی!"

آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کے قہقہے بلند ہوئے۔ اظہارِ اجنبیت بے حد نرالا تھا جس کے اختتام پر ڈیڈی کے اضافے نے لوگوں کو محظوظ ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

رحمان صاحب کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہوگیا۔ سر سلطان نے انھیں بے قابو ہوتے دیکھا تو ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور اس کے بعد عمران نے انھیں ہال سے باہر جاتے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور وہ میز پر دائیں ہاتھ سے تھپکیاں دینے لگا۔

"ہیلو طوطے۔"

عمران کی رُوح قبض ہوتے ہوتے رہ گئی۔

آواز بلاشبہ روشی ہی کی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ عمران کے برابر والی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آؤ... جاؤ... جاؤ... آؤ آؤ بیٹھو۔" عمران بوکھلا کر اُٹھا اور سر سے پگڑی اُتار کر اس کے سامنے یوں جھک گیا جیسے سر سے ہیٹ اُتار کر کسی معزز خاتون کی پذیرائی کی جاتی ہے۔

روشی بڑے ٹھسے سے بیٹھ چکی تھی اور اب مُسکرا مُسکرا کر عمران کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہت عرصے بعد عمران سے ملاقات کا موقع نکلا تھا اور اس کے لیے بھی وہ سلیمان کی ممنون تھی جس نے بروقت اطلاع دے دی تھی کہ عمران سرائے گراتو کے فیشن شو میں شرکت کر رہا ہے۔ محکمۂ خارجہ کی بور سروس سے اُکتا کر وہ آج شام تفریح کی غرض سے یہاں آئی تھی۔ اگرچہ عمران اس وقت انتہائی مضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں روشی اسے برداشت کر گئی اور اس نے عمران کے ساتھ بیٹھنا گوارا کر لیا تھا۔ اس نے بیٹھتے ہی اپنی کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھا اور چونک کر بولی۔ "ارے اس میں تو ساڑھے سات ہی بج رہے ہیں۔"

"کسی اور کی گھڑی دیکھ لو۔" عمران نے مسمی سی صورت بنا کر مشورہ دیا۔

نیوزی لینڈ کا سفیر جو رحمان صاحب کے جانے کے بعد عمران میں دلچسپی لینے لگا تھا، مُسکرا کر بولا۔

"ساڑھے سات ہی بجے ہیں، صاحبزادے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" یہ کہتے کہتے خود عمران کے چہرے پر بارہ بجنے لگے۔

"کیا تم رحمان کے بیٹے ہو؟"

"جی نہیں۔ وہ، میرے ڈیڈی ہیں۔" عمران نے بوکھلا کر جواب دیا۔

سفیر کی ہنسی نکل گئی۔ اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی ایک خوبصورت خاتون جو غالباً اس کی بیگم تھی، بے ساختہ ہنس پڑی۔ عمران بوکھلاہٹ میں باری باری دونوں کی صورت دیکھنے لگا۔

"سنو طوطے۔ اب تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" روشی اس کی طرف جھکتی ہوئی غرائی اور عمران اچھل پڑا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی، اور روشی بری طرح بوکھلا گئی۔ عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا اور اچھلنے کا انداز اتنا اچانک تھا کہ سر سے پگڑی اتر گئی۔ پگڑی کرسی سے نیچے گزر کر عین روشی کے قدموں میں چلی گئی جیسے اس نے ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا۔ پگڑی لڑھک کر سفیر کی میز کے قریب جا پہنچی۔

اس نے ہنستے ہوئے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ پھر پگڑی کو گود میں رکھے، وہ عمران کی طرف دیکھنے لگا جو جھک کر پگڑی تلاش کر رہا تھا۔

"شو ختم ہونے کے بعد مجھ سے واپس لے لینا۔" سفیر کی آواز سنائی دی۔

"ایں۔" عمران چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور پھر روشی نے اسے کرسی پر دھکیل دیا۔

عمران کرسی پر ڈھیر ہو کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔

اچانک اسٹیج روشنیوں میں نہا گیا اور ریشمی پردہ دائیں بائیں سمٹنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی دھیمے سروں میں ایک مقبول دھن سنائی دینے لگی۔ سب لوگ ادھر متوجہ ہو گئے۔ عمران آنکھیں اور منہ پھاڑے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے ابھی کچھ دیر میں کوئی حیرت انگیز مخلوق ظاہر ہونے والی ہو۔ معاً اس نے جھرجھری سی لی اور روشی کی طرف جھک کر بولا۔ "اسے س... بس سردی نہیں لگ رہی؟"

"خاموش رہو۔" روشی بھنا گئی۔

اسٹیج سے ایک نوجوان لڑکی ادھورے لباس میں، اس راستے پر اتر آئی تھی جو ہال کے بیچوں بیچ بنا ہوا تھا۔ اس نے ایک خوش نما اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ جس کا بالائی حصہ ریشمی دھاگے سے بنا ہوا تھا۔ وہ اٹھلاتی ہوئی ہال کے درمیانی راستے پر چلتی ہوئی اسٹیج کی طرف واپس چلی گئی۔ اس کے بعد کئی لڑکیاں مختلف ملبوسات میں آئیں اور ہر زاویے سے لباس کی نمائش کر کے اسٹیج کے عقب میں غائب ہوتی چلی گئیں۔

فیشن پریڈ نصف گھنٹے بعد تمام ہوئی۔

اس دوران میں عمران نے بار ہا ایسا منہ بنایا تھا جیسے بے ساختہ قسم کی ابکائیاں روک رہا ہو۔ روشی ایک بار بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی جبکہ آس پاس کے لوگ رنگا رنگ تتلیوں میں کھو گئے تھے۔ اور انھیں دوسروں کا تو کیا اپنا بھی ہوش نہ تھا۔

عمران کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس وقت کو بری طرح کوسنے لگا جب اس نے اس فیشن شو میں آنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اب اوکھلی میں سر دے بیٹھا تھا تو موسلوں سے ڈرنا بے معنی تھا۔

فیشن پریڈ کے بعد انتظامیہ نے رقص کا اعلان کیا۔ چند لمحوں کے بعد جاپانی رقاصہ نوریکو اسٹیج پر آئی تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ نوریکو تماشائیوں کی استقبالیہ تالیوں کے جواب میں کورنش بجا لائی اور پھر ہال کی بتیاں گل ہو گئیں اور اسٹیج پر، سبز روشنی کا ایک ہالہ عین اسی جگہ دکھائی دینے لگا، جہاں نوریکو کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہال میں ہیجان خیز موسیقی کی لہر دوڑ گئی اور نوریکو رقص کرنے لگی۔

ہال میں سسکیاں سی سنائی دینے لگیں تو عمران اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر لوگوں کے چہرے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیسا ناچ رہی ہے؟" روشی نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

"مرچیں کچھ زیادہ ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"سب لوگ سوں سوں کر رہے ہیں۔"

"گدھے ہو، بالکل۔" روشی بھنا گئی۔

"تو پھر ریکنا شروع کر دوں۔" اس مرتبہ عمران کی آواز خاصی بلند تھی۔

روشی بوکھلا گئی۔ اس نے فوراً ہی جھک کر کہا۔ "اگر تم نے کوئی حماقت کی تو میں ابھی اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"

"تک... کیا تمہارا ابھی ناچنے کو جی چاہتا ہے۔" عمران نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔ ورنہ میں کرسی اُٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں گی۔" روشی برہم ہوگئی۔

"اچھا۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" وہ زیرِ لب بولا اور اپنی دیرینہ عادت کو آواز دے کر اونگھنے لگا۔

آج سرائے گرا تو میں سینڈل پرانٹو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والا تھا۔ انتظامیہ نے آئیٹم کی اتنی پبلسٹی کی تھی کہ سارا شہر سرائے گرا تو پر ٹوٹ پڑا تھا۔ عمران تقریباً آٹھ بجے ہال میں پہنچا تھا۔ آج بھی وہ اپنے کل والے ہی لباس میں تھا۔ فیشن شو ختم ہونے کے بعد اس نے اپنی پگڑی نیوزی لینڈ کے سفر سے لے لی تھی اور اس وقت بڑے اطمینان سے اپنی سیٹ پر بیٹھا ٹکٹکی باندھے اسٹیج کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اسٹیج پر ایک میز پر تین ریوالور رکھے ہوئے تھے اور نشانے بازی سے متعلق کئی ٹارگٹ ایک جانب آویزاں تھے۔ اچانک عمران کی نگاہ فیاض پر پڑی جو ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اچھل کر اٹھا۔

"ارے سوپر۔ آؤ۔ پیارے سوپر۔"

فیاض نے جیسے ہی عمران کو دیکھا اس کی بھویں تن گئیں۔ وہ کل بھی فیشن شو میں شریک تھا لیکن عمران سے دُور ہی دُور رہا تھا۔ اتفاق سے عمران کی نگاہ اس پر نہیں پڑی تھی۔ اس لیے وہ اس کی حماقتوں کا نشانہ بننے سے محفوظ رہا تھا لیکن آج ...

"خبیث کہیں کا۔" فیاض بڑبڑایا۔ اس کے ساتھ اُس کی نئی نویلی لیڈی سیکریٹری بھی تھی جو اس کے بڑبڑاتے ہی چونک پڑی پھر اس کی نگاہ عمران پر پڑی جو لپکتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

قریب پہنچ کر عمران نے پگڑی تک ہاتھ اُٹھا کر دونوں کو سلام کیا اور مسکرا کر فیاض کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا تم کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں پہن سکتے؟" فیاض نے غرّا کر کہا۔

"کک ... کل کے فیشن شو میں کیا اس نام کے کسی لباس کی نمائش ہوئی تھی؟" عمران نے چونک کر دریافت کیا۔

"عمران پلیز، اس وقت میں اپنا سر کچھ بھاری بھاری محسوس کر رہا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" عمران نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "خدانخواستہ پاؤں بھاری ہوتا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔"

فیاض قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ سیکریٹری کی موجودگی میں عمران کی بکواس اسے بُری طرح کھل گئی تھی لیکن وہ بھلا کر بھی کیا سکتا تھا۔ سیکریٹری منہ پھاڑے حیرت سے عمران کا جائزہ لے رہی تھی اور آس پاس کئی لوگ ان پر آوازے کس رہے تھے۔

"ان سے ملو گریشی، یہ رحمان صاحب کے بیٹے علی عمران ہیں۔" فیاض نے فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اوہ۔ پلیز ٹو سی یو۔" سیکریٹری بوکھلا کر بولی۔

"مم ... مجھے عورتوں کی خوشی سے کوئی مطلب نہیں۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مزا تو تب تھا کہ یہ محترم بھی مجھ سے مل کر خوش ہوئے ہوتے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" سیکریٹری نے حیرانی سے کہا۔

"دیکھ نہیں رہیں۔ سوپر اس وقت دُہری دھار والا ٹریٹ سوپر بنا ہوا ہے ... مم ... مجھے سردی لگنے لگی ہے۔" یہ کہہ کر عمران یوں کانپنے لگا جیسے نہانے کے بعد کوئی بھیڑ اپنا جسم جھٹکتی ہے۔

"آؤ، اُدھر ریستوران میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" فیاض نے عمران کی بکواس کو نظر انداز کرتے ہوئے ریستوران کی طرف اشارہ کیا۔ اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

ریستوران میں تینوں ایک میز کے گرد بیٹھ گئے تو فیاض نے اپنی سیکریٹری سے جھک کر پوچھا۔ "کیا پیو گی؟"

"وسکی۔"

فیاض نے اس کے لیے وسکی کا آرڈر دیا اور اپنے لیے کافی منگوالی۔ جلد ہی آرڈر سپلائی ہو گیا لیکن فیاض ان سے کچھ دیر کے لیے معذرت کر کے اٹھ گیا "میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کاؤنٹر کی طرف جاتا

دکھائی دیا پھر وہ دائیں راہداری میں مڑ گیا جو غالباً ٹائلٹ کی طرف جاتی تھی۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ کے ڈیڈی آپ کو کس طرح برداشت کرتے ہوں گے۔" فیاض کی سیکریٹری نے عمران سے کہا۔

"جی، بالکل اسی طرح جس طرح آپ فیاض کو برداشت کرتی ہیں۔" عمران نے معصومیت سے جواب دیا۔ سیکریٹری کا منہ بن گیا۔ اچانک ایک ویٹر ان کے قریب آیا اور عمران کی طرف جھک کر بولا۔ "عمران صاحب، آپ کا فون!"

"گھر پر ہے۔" عمران نے اطمینان سے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے، آپ کی کال آئی ہے۔" ویٹر نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے وضاحت کی۔

"اوہ کہاں؟ جلدی بتاؤ۔ مم... میری وھسکی ٹھنڈی ہو جائے گی۔" عمران نے سیکریٹری کے سامنے رکھے ہوئے پیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔ اور تیزی سے ویٹر کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر ویٹر نے راہداری کی طرف اشارہ کیا۔ عمران حیرانی سے ادھر متوجہ ہوا تو اسے ایک بے ساختہ قسم کا قہقہہ ہضم کرنا پڑا۔ فیاض راہداری میں ایک ٹائلٹ کے سامنے کھڑا دکھائی دیا۔ عمران سے نگاہیں ملتے ہی، اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا اور عمران یوں سرپٹ اس کی طرف دوڑا جیسے لوہے کا حقیر سا ذرہ مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جائے۔

"تم نے میرا سارا وقار خاک میں ملا دیا۔" فیاض ہانپ کر بولا اور عمران کو قہر آلود نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"ارے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ یہاں خاک کہاں سے آگئی؟ ہائے کتنا زبردست فرش ہے خاک کا نام ونشان تک نہیں۔" عمران نے کہا اور بے ڈھنگے پن سے مسکرانے لگا۔

فیاض خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ "میں پوچھتا ہوں تمہیں شرم نہیں آتی۔ آخر سوٹ پر یہ مٹکے جتنا پگڑ باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔ جانتے ہو رحمان صاحب تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔"

"کک۔ کیا وہ ہاسپٹل میں ہیں؟" عمران بوکھلا گیا۔

"کیا مطلب؟" فیاض نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر نہیں ہیں تو پھر انھیں خون کی کیا ضرورت ہے۔"

فیاض کا جی چاہا کہ وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

"میں کہتا ہوں اگر تم اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں آسکتے تو مجھے کیوں ساتھ گھسیٹتے ہو۔ کیا ضروری تھا کہ تم میری طرف دوڑے چلے آتے۔"

"یعنی پگڑی باندھ کر میں دوستوں سے طوطا چشمی شروع کر دوں۔"

"خدا کے لیے، کم از کم میری حد تک تو یہی کرو۔" فیاض نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، پیارے۔ آیندہ جب تمھیں کوئی ضرورت میرے پاس لائے گی، میں فوراً پگڑی پہن لوں گا۔ خدا حافظ۔" عمران یہ کہہ کر جانے کے ارادے سے مڑا لیکن فیاض کا ہاتھ کندھے پر محسوس کر کے رک گیا۔

"عمران... اِدھر دیکھو۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ خدا کے لیے اسے اتار دو۔ پلیز۔"

"ہوں۔ اب معلوم ہوا ناخلف اولادیں کسی بڑی پوسٹ پر تقرر ہونے کے بعد کیوں اپنے والد صاحب کو احباب کے سامنے نوکر یا دُور کا رشتے دار کہنے لگتی ہیں۔ خیر..." عمران نے پگڑی اتار کر فیاض کے ہاتھ میں تھما دی۔ "لو۔ اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔" اس نے گلوگیر لہجے کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس سیٹ پر جا بیٹھا جہاں فیاض کی سیکریٹری کو چھوڑ کر گیا تھا۔

فیاض جی ہی جی میں خوش تھا کہ وہ عمران کی پگڑی اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہو گیا۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے پگڑی کی طرف دیکھا اور پھر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ "اسے رکھ لو۔ بعد میں لے لوں گا۔" فیاض نے پگڑی کاؤنٹر کلرک کے حوالے کی اور واپس اپنی میز پر آگیا جہاں عمران یوں بیٹھا کافی پی رہا تھا جیسے اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا ہو۔

ابھی وہ کافی ختم کر کے بیٹھے ہی تھے کہ اسپیکر پر نشانے بازی کے مظاہرے کا اعلان ہُوا اور وہ اُٹھ کر ہال میں آ گئے۔ عمران اپنی میز کی طرف بڑھ گیا اور فیاض سیکرٹری کے ساتھ اپنی میز کی طرف چلا گیا۔ اسٹیج پر اس وقت ایک دراز قامت، متناسب الاعضا نوجوان کھڑا جھک جھک کر آداب بجالا رہا تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے تالیاں بجا کر اسے خوش آمدید کہنا شروع کیا۔

"حضرات۔ سینڈل پراٹو آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔" اسپیکر پر آواز ابھری۔

لوگوں نے پُرجوش انداز میں چیخ چیخ کر ہال سر پر اُٹھا لیا۔

"یہی وہ نوجوان جادوگر ہے، جسے اپنی نشانے بازی پر ناز ہے۔ اس نے دُنیا بھر کے نشانے بازوں کو چیلنج کر رکھا ہے۔ سینڈل پراٹو کا چیلنج ہے کہ کوئی اس فن میں اسے شکست نہیں دے سکتا۔ اگر کبھی اسے شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا تو وہ آیندہ کبھی ریوالور کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔"

عمران نے احمقانہ انداز میں روشی کی طرف دیکھا جو عین اسی وقت اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔ روشی نے مسکرا کر دیکھا اور پوچھا "تمھاری پگڑی کیا ہوئی؟"

"اُتر گئی۔" عمران گلوگیر لہجے میں بولا اور اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا جہاں سینڈل پراٹو اپنے ریوالور کا چیمبر چیک کر رہا تھا۔

اچانک پانچ خوبصورت لڑکیاں اسٹیج پر دکھائی دیں۔ وہ اٹھلاتی ہوئی اسٹیج کی دائیں جانب، قطار بنا کر کھڑی ہو گئیں۔ اگلے ہی لمحے ان کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے سیب ان کے سر پر پہنچ گئے۔

"آپ دیکھیں گے کہ مسٹر سینڈل پراٹو ایک ہی جھونک میں ان تمام سیبوں کو گرا دیں گے۔ کمال یہ ہے کہ ان لڑکیوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ حاضرین کیا آپ اس خطرناک لیکن دلچسپ مظاہرے کی داد نہیں دیں گے۔" اسپیکر سے آواز ابھری۔

لوگوں پر تالیاں پیٹنے کا گویا دورہ سا پڑ گیا... اور تالیوں کا یہ شور اس وقت ٹوٹا جب پے در پے فائر کر کے سینڈل پراٹو نے سیب گرا دیے۔ پانچوں لڑکیاں اسٹیج پر حاضرین کے سامنے جھک کر کورنش بجا لائیں۔ سینڈل پراٹو میز پر رکھے ہوئے دوسرے ریوالور کا جائزہ لے رہا تھا جبکہ لوگ ابھی تک مبہوت ہو کر اسٹیج کی طرف دیکھ رہے تھے۔! عمران بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ کسی بھیانک خواب سے چونک کر بیدار ہُوا ہو۔ روشی نے عمران کی طرف دیکھا اور مُسکرا دی۔ "کیا دیکھ رہے ہو۔"

"لک۔ کیا یہ لڑکیاں اصلی ہیں۔" عمران بوکھلا کر بولا۔

"کیا مطلب۔" روشی چونک پڑی۔

"مم۔ میرا مطلب تھا۔ وہ۔ گگ۔ گولیاں اصلی ہی تھیں، ناں؟" عمران نے جلدی سے تصحیح پیش کی۔

روشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "خود اپنے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"

"لک۔ کیا مطلب!" عمران نے بوکھلا کر پوچھا۔

"تم اصلی ہو یا نقلی؟"

"اس سلسلے میں تمھیں تھوڑی سی زحمت کر کے میرے ڈیڈی کے آفس جانا پڑے گا۔ کیونکہ وہ گھر پر ایسی باتوں کا جواب نہیں دیتے۔" عمران نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

روشی نے جھینپ کر مُنہ پھیر لیا۔

پانچوں لڑکیاں اب دوبارہ اسٹیج پر کھڑی ہو گئی تھیں لیکن اس مرتبہ ان کی ترتیب مختلف تھی۔ دو لڑکیاں اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب کھڑی تھیں جبکہ پانچویں لڑکی اسٹیج کی مخالف سمت میں، دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔ سینڈل پراٹو نے حلق سے ایک مخصوص سیٹی بجائی جو غالباً لڑکیوں کے لیے ہوشیار ہو جانے کا اشارہ تھا۔ لڑکیوں نے نئے سیب اپنے سروں پر رکھ لیے۔

اچانک ہال پے در پے دھماکوں کی آوازوں سے گونج اٹھا اور لوگوں کے حلق سے بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ سینڈل پراٹو نے بجلی کی سی سُرعت سے تین سمتوں میں فائر کیے تھے اور پانچ لڑکیوں کے سروں سے سیب نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ ہال میں تالیوں کی آواز گونجنے لگی۔ اور جیسے ہی

یہ طوفان تھا، عمران نے تنہا ہی تالیاں پیٹنا شروع کر دیں۔ لوگ چونک چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ عمران آنکھیں بند کیے تالیاں بجا رہا تھا۔

"کیا کرتے ہو گدھے۔" روشی جھک کر اس کے کان کے پاس غرائی۔ "سب لوگ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔"

"کک... کیا وہ نشانے باز چلا گیا؟"

"کیا مطلب۔"

"اگر وہ نہیں گیا تو کسی کو کیا پڑی کہ علی عمران کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا کرلے۔" عمران نے بدستور آنکھیں بند رکھیں اور تالیاں پیٹتا رہا۔ روشی نے جھلا کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ عمران نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور بوکھلا کر لوگوں کی طرف دیکھنے لگا جو اب قہقہے لگا رہے تھے۔

سینڈرل پرانٹو نے چند آئیٹم پیش کرنے کے بعد بڑے فخریہ لہجے میں، ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔ "ہے کوئی جو اس فن میں مجھے چیلنج کر سکے۔"

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ کچھ دیر بعد سب چونک کر ہال کے مغربی حصے کی طرف دیکھنے لگے جہاں سے کسی کی آواز سنائی دی تھی۔ "ہاں میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں۔"

عمران نے اس شخص کی طرف دیکھا جو اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ارے، یہ تو اندھا ہے۔" روشی عمران کی طرف جھکتی ہوئی بولی۔

"تو چشمہ کیوں نہیں پہن لیتا۔" عمران نے کہا اور جلدی سے ہونٹ بھینچ کر اس اندھے نوجوان کی طرف دیکھنے لگا جو اس وقت اسٹیج کے قریب جا پہنچا تھا۔

"تم اندھے ہو نوجوان۔" سینڈرل پرانٹو کی آواز سنائی دی۔

"پروا مت کرو۔ میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں۔" اندھے نے چلا کر کہا اور ہال میں سرگوشیاں بلند ہو کر پُرشور آوازوں میں تبدیل ہو گئیں۔ لوگ اس اندھے کے بارے میں خیال آرائیاں کر رہے تھے۔

"شاید بینائی کے ساتھ تمہاری عقل بھی رخصت ہو گئی ہے۔ جاؤ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ تم نے غالباً سینڈرل پرانٹو کا صرف نام ہی سنا ہے۔ اگر تمہاری آنکھیں ہوتیں تو تم کبھی اس حماقت کے لیے تیار نہ ہوتے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے، نوجوان۔ جاؤ اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔" سینڈرل پرانٹو نے حقارت سے کہا۔

اندھا چلانے لگا۔ "یہ ظلم ہے۔ آخر آپ لوگ میری حمایت کیوں نہیں کرتے۔" وہ ادھر ادھر مڑ کر گویا لوگوں سے فریاد کرنے لگا۔

ہال میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا۔ سب اندھے نوجوان کی حمایت کرنے لگے۔ ظاہر ہے، انہیں ایک اندھے شخص کا نشانہ دیکھنے کی شدید آرزو رہی ہو گی۔

سینڈرل پرانٹو نے سب کو بضد دیکھا تو کندھے اچکا کر بولا۔ "ٹھیک ہے کل اسی وقت مقابلہ ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ اسٹیج کے دائیں حصے کے دروازے میں غائب ہو گیا۔ لوگ اٹھ اٹھ کر اندھے نوجوان کو دیکھ رہے تھے اور پُرجوش انداز میں اس کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ عمران بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اندھا ٹٹولتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔

اچانک عمران کی نگاہ ایک پستہ قد آدمی پر پڑی جو اندھے نوجوان کے پہلو میں چل رہا تھا۔ دفعتاً اندھے کو ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا گیا۔ عمران کی نگاہوں سے اس پستہ قد آدمی کی حرکت پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے دیکھا کہ پستہ قد آدمی نے اندھے کی جیب میں کوئی ڈبیہ نما شے ڈال دی تھی۔

عمران لوگوں کو ادھر ادھر دھکیل کر تیزی سے اندھے کی طرف بڑھا لیکن اندھا اس وقت تک دروازے سے باہر جا چکا تھا۔

عمران کو باہر نکلنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ اس نے باہر نکل کر دائیں بائیں دیکھا تو ہوٹل کے باغیچے میں اسے دو سائے سے لہراتے دکھائی دیے۔ وہ تیزی سے ایک باڑ کی آڑ لیتا ہوا ان کے قریب جا پہنچا اور ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا تم نے اسے چیلنج کر دیا، اسکاٹ؟" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"ہاں، کل اسی وقت اس کا غرور خاک میں مل چکا ہو گا۔" یہ اسی اندھے نوجوان کی آواز تھی جس نے

سینڈل پرانٹو کو چیلنج کیا تھا۔
دفعتاً عمران کو دو، دردناک چیخیں سُنائی دیں اور وہ باڑ پھلانگ کر ان دونوں کی طرف لپکا۔ اس نے بیک وقت دونوں سایوں کو لڑکھڑاتے دیکھ لیا تھا۔
"آہ۔ ظالم انسان۔ تو ایک بار پھر کامیاب ہو گیا۔" اندھا نوجوان کرب انگیز لہجے میں بڑبڑایا اور اس کا سَر ایک جانب ڈھلک گیا۔
چیخنے کی آوازیں دُور تک سُنائی دی تھیں۔ عمران نے پھُرتی سے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی سے اسے باہر کھینچ لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ کوئی چیز سنسناتی ہُوئی اس کے کان کے پاس سے گزر گئی تھی۔ عمران نے اس سنسناہٹ میں سانپ کی سی پھنکار محسوس کی۔ وہ پھُرتی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں سُنائی دیں تو اس نے چونک کر ہوٹل کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر ایک ہی جست میں باڑ پھلانگ کر دوسری طرف نکل گیا۔
چند لمحوں کے بعد وہ اپنی ٹوسیٹر میں بیٹھا تیزی سے اپنے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر غور و فکر کی بے شمار سلوٹیں تھیں اور ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ اس کے ذہن میں بار بار اندھے نوجوان کا وہ جُملہ گونج رہا تھا۔
"ظالم انسان، تو ایک بار پھر کامیاب ہو گیا۔"

صفدر، سینڈل پرانٹو کا پروگرام شروع ہونے سے بہت پہلے سرائے گراتو پہنچ گیا تھا۔ چونکہ ایکسٹو نے اجازت دینے کے بعد اس بات کی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ سیکرٹ سروس کا کوئی بھی ممبر دوسرے سے مل کر نہیں بیٹھے گا۔ اس لیے وہ تنہا ہی تھا۔
پروگرام شروع ہونے میں ابھی نصف گھنٹہ باقی تھا۔
صفدر نے گھڑی پر وقت دیکھا اور خاموشی سے ریستوران کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ذہن میں چیف کی ہدایت محفوظ تھی۔ اگرچہ صفدر کو اس حکم کا سبب سمجھ میں نہیں آیا لیکن دل ہی دل میں وہ ایکسٹو کی دُور اندیشی کا معترف تھا۔ بارہا ایسا ہو چکا تھا کہ جس بات کو انھوں نے محض سرسری خیال کر کے نظرانداز کر دیا تھا اسی بات سے کوئی نہ کوئی دھما کا خیز حقیقت سامنے آگئی۔ ریستوران میں زیادہ رش نہیں تھا۔ وہ ایک کارنر ٹیبل پر بیٹھ کر مینو دیکھنے لگا۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے گراتو میں ہی ڈنر لینے کا پروگرام بنایا تھا اس لیے پُرتکلف آرڈر دینے کے بعد ہال کا جائزہ لینے لگا۔
ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں ایک بھی اس کا شناسا نہیں تھا۔
ویٹر نے جلد ہی اس کا آرڈر میز پر لگا دیا۔
صفدر پورے انہماک کے ساتھ کھانے میں مشغول ہو گیا۔ ابھی وہ کھانے سے فارغ ہی ہُوا تھا کہ اُسے عمران کی آواز سُنائی دی۔ اس نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بمشکل اس بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو پا پایا جو عمران اور فیاض کو یکجا دیکھ کر اس کے لبوں پر پھیل رہی تھی۔ صفدر کو ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی نظر آئی۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ فیاض کی سیکریٹری ہوگی۔
عمران نے وہی پگڑی باندھ رکھی تھی جسے وہ ایک روز پہلے فیشن شو کے دوران بھی اس کے سَر پر دیکھ چکا تھا۔ فیاض بھنایا ہُوا سا لگ رہا تھا اس لیے صفدر دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹوں کا مزا لینے لگا۔
کھانے سے فارغ ہو کر صفدر اپنی میز سے اُٹھ گیا۔ بیسن پر ہاتھ دھوتے وقت بھی وہ سامنے لگے ہوئے آئینے میں ان لوگوں کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے فیاض کو اُٹھ کر ٹائلٹ کی طرف جاتے دیکھا۔ ٹائلٹ، بیسن کے قریب ہی تھا۔ جب فیاض نے ایک ویٹر کو اشارے سے بُلا کر عمران کو بُلانے کے لیے کہا تو صفدر کی ہنسی نکل گئی۔ ہنسی روکنے کے لیے مجبوراً اسے مُنہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا پڑی۔ پھر اس نے عمران کو فیاض کے قریب دیکھا۔ پگڑی کے سلسلے میں عمران اور فیاض کی باتوں نے اس کے پیٹ میں گڑبڑ کر دی۔ ہنسی روکنے کے لیے اسے بار بار

کلیاں کرنا پڑیں۔

جب وہ دونوں ٹائلٹ کے پاس سے چلے گئے تو صفدر ٹائلٹ میں جا گھسا۔ اس نے پانی کا نل کھول دیا اور پھر دل کھول کر ہنسنے لگا۔ پانی کے شور کی وجہ سے اس کی ہنسی کی آواز دب گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے اپنی حماقت کا احساس ہُوا تو اس نے کھانس کھانس کر ہنسی کو روکا اور ٹونٹی بند کر دی۔ ابھی وہ باہر نکلنے کے لیے ہینڈل گھما رہا تھا کہ اس کا ہاتھ رُک گیا۔ دروازے کی دوسری طرف، دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پہلا ہی جملہ چونکا دینے والا تھا۔ اس لیے وہ دروازے سے کان لگا کر سننے لگا۔

"کیا تم سانپ لے کر آئے ہو؟" ایک آواز سُنائی دی۔

"ہاں بے فکر رہو۔ ڈبیہ میری جیب میں موجود ہے۔" دوسری آواز سنائی دی۔

"ہوشیاری سے کام کرنا۔ اگرچہ وہ اندھا ہے لیکن تم جانتے ہو کہ اندھوں کی چھٹی حس کس قدر تیز ہوتی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ میں اپنا کام ہوشیاری سے کرنے کا عادی ہُوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔" پہلی آواز نے کہا۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ اندھا آج ہی اسے چیلنج کرے؟"

"معلوم نہیں... لیکن اس کی یہاں موجودگی باعثِ تشویش ہے۔ بس، اب تم جاؤ۔"

صفدر دم سادھے ان کی باتیں سُنتا رہا۔ اس کے ذہن میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا تھا۔ باہر اب دُور ہوتے قدموں کی چاپ سُنائی دے رہی تھی۔

صفدر خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اس کی نگاہ دو آدمیوں پر پڑی۔ ایک شخص انتہائی تیز رفتاری سے کاؤنٹر کے سامنے سے گزرتا ہُوا دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ دوسرا ریستوران میں ایک میز کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ صفدر تذبذب میں پڑ گیا کہ اسے کس شخص کی نگرانی کرنی چاہیے۔ پھر اس نے فوراً ہی ریستوران میں موجود شخص پر نگاہ رکھنے کا ارادہ کر لیا۔

اس شخص نے سیاہ سُوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ پستہ قد لیکن مضبوط دکھائی دیتا تھا۔ صفدر کی طرف اس کی پیٹھ تھی اس لیے وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ وہ اپنی میز کی طرف بڑھنے لگا۔ پستہ قد آدمی، صفدر کی میز کے قریب ہی، ایک میز پر تنہا بیٹھا تھا۔ صفدر نے قریب سے گزرتے وقت کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا۔ چہرے سے وہ کوئی جرائم پیشہ ہی لگتا تھا۔ اپنی میز پر پہنچتے ہی صفدر نے ویٹر کو اشارے سے بل لانے کے لیے کہا اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ انداز سرسری ہی تھا۔

پستہ قد آدمی کا ایک ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں تھا۔

صفدر کے ذہن میں وہ ڈبیہ گھُومنے لگی جس میں کوئی انتہائی زہریلا سانپ بند تھا۔ یقیناً وہ ڈبیہ پستہ قد آدمی کے کوٹ کی جیب میں ہی تھی۔ صفدر بل ادا کر کے اُٹھ گیا۔

ریستوران کے اسپیکر پر سیڈل براؤن کے مظاہرے کا اعلان ہو رہا تھا۔ اعلان سُنتے ہی پستہ قد آدمی بھی اپنی سیٹ سے اُٹھ گیا تھا۔ صفدر نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ اس وقت بھی جیب میں تھا۔

عمران اور فیاض اس سے پہلے ہی اُٹھ کر ہال کی طرف چلے گئے تھے۔ اس لیے صفدر نے عمران کو اشارے سے حالات بتانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

پستہ قد آدمی ہال میں پہنچ گیا۔ صفدر اس سے چند قدم پیچھے تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی سیٹ نہ جانے کہاں ہوگی۔ اگر اس کی سیٹ، صفدر کی سیٹ سے دُور ہوتی تو اسے نگرانی کرنے میں خاصی دقت پیش آتی۔ یہ صفدر کی خوش قسمتی ہی تھی کہ پستہ قد آدمی درمیانی راستے سے گزرتا ہُوا اگلی نشستوں کی طرف بڑھ گیا۔ اور یہ دیکھ کر تو صفدر کی باچھیں کھل گئیں کہ وہ اس کی سیٹ سے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

صفدر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

پستہ قد آدمی اسی رَو میں صفدر سے تیسری سیٹ پر تھا۔ صفدر دل ہی دل میں اس حسین اتفاق پر

خُدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اچانک اس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے دائیں طرف کے آدمی نے صفدر کے بائیں طرف والے آدمی سے باتیں شروع کر دیں۔ صفدر مسکرانے لگا۔ آج شاید اس کے ستارے کچھ زیادہ ہی مہربان تھے۔ اس نے اس اتفاق سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کر لیا۔ "اگر آپ کو گفتگو میں دقت پیش آ رہی ہو تو میری سیٹ پر آجائیے۔" صفدر نے پُراخلاق لہجے میں اس شخص سے کہا جو اُس کے اور پستہ قد آدمی کے درمیان بیٹھا ہُوا تھا۔

"اوہ، بہت بہت شکریہ۔ میں آپ سے خود ہی کہتا لیکن کچھ لوگ ایسے موقعوں پر ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔"

"آئیے۔ میں ویسے بھی تنہا ہُوں۔ کم از کم آپ تو اپنے ساتھی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔" صفدر نے گفتگو کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ پستہ قد آدمی ان کی باتیں سُن لے۔ اور ہُوا بھی یہی... وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

صفدر نے سرسری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا۔ لیکن پستہ قد آدمی کے چہرے سے کوئی خاص تاثر ظاہر نہیں ہُوا۔ گویا اس نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی تھی۔

اسی لمحے سینڈل پرانٹو نے اپنے فن کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

صفدر بظاہر انہماک سے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔ درحقیقت اس کی توجہ پستہ قد آدمی کی طرف تھی۔ مظاہرہ ختم ہونے تک صفدر نے دو مرتبہ مدّھم سی پھُنکاریں بھی سُنیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ جیسے ہی پھنکار سنائی دیتی، پستہ قد آدمی زور زور سے کھانسنے لگتا تھا۔

پروگرام ختم کر کے جیسے ہی سینڈل پرانٹو نے حاضرین کو چیلنج کیا، صفدر نے عقبی نشستوں سے اس اندھے کو آگے آتے دیکھا جس کے بارے میں اسے نہ جانے کیوں یقین ہو گیا تھا کہ وہ موت کے مُنہ میں جا رہا ہے۔

اندھے کا چیلنج منظور کرنے کے بعد جب سینڈل پرانٹو اسٹیج سے چلا گیا تو یکلخت اندھے کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ صفدر نے پستہ قد آدمی کو ہجوم کی طرف بڑھتے دیکھا۔ ایک مرتبہ تو اس کے جی میں آیا کہ وہ اس کی جیب سے سانپ کی ڈبیہ پار کر لے لیکن اسے فوراً ہی یاد آ گیا کہ اس شخص کا ہاتھ اب بھی اپنی جیب میں ہے... اور پھر صفدر کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

پستہ قد آدمی ڈبیہ اندھے کی جیب میں ڈال کر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ صفدر لوگوں کو دھکیلتا ہُوا اس کے پیچھے لپکا۔ چند ہی لمحے بعد وہ اپنی موٹر سائیکل پر اس کار کا تعاقب کر رہا تھا جسے پستہ قد آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔

کار کی رفتار خاصی تیز تھی اس لیے صفدر نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی۔ اندھیرا چھا گیا تھا لہٰذا صفدر کے لیے موٹر سائیکل کی فلڈ لائٹ آن کرنا ناگزیر ہو گیا۔ سڑک پر خاصا ٹریفک تھا اس لیے صفدر تعاقب کے سلسلے میں کچھ لاپروا تھا لیکن جب وہ ایک ویران سی سڑک پر پہنچے تو اس نے لائٹ بجھا دی۔ اب وہ گاڑی کی عقبی سُرخ بتیوں کے سہارے تعاقب کر رہا تھا۔ اگلی گاڑی ساحلی علاقے کی طرف جا رہی تھی۔

پندرہ منٹ بعد صفدر نے پستہ قد آدمی کو گاڑی روک کر ایک بار میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس نے موٹر سائیکل ایک طرف روکی اور بار میں گھُس گیا۔

بار کے دروازے میں رُک کر اس نے ایک طائرانہ نگاہ ہال میں دوڑائی لیکن پستہ قد آدمی کہیں دکھائی نہیں دیا۔ صفدر ٹائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائلٹ میں جا کر اس نے اپنا کوٹ اُتارا اور اُسے اُلٹ کر پہن لیا۔ بالوں کو قدرے منتشر کیا اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر لی۔ جیب سے دو اسپرنگ نکال کر نتھنوں میں ڈال لیے۔ اب اس کی صورت میں اتنی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ اگر پستہ قد آدمی سے اس کا ٹکراؤ ہو جاتا تو اس کے پہچانے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ صفدر نے دونوں آنکھوں میں رومال کا کونا چبھویا۔ آنکھوں میں پانی بھر آیا اور سُرخی جھلکنے لگی۔ پانچ منٹ بعد وہ ٹائلٹ سے برآمد ہُوا تو نشے میں دھت کوئی شرابی

لگ رہا تھا جس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ وہ ہال میں بیٹھ گیا۔

ویٹر نے اس کے آرڈر پر وسکی کا ایک پیگ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ صفدر نے پیگ کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ مدہوش اور آس پاس سے لاپروا دکھائی دیتا تھا۔ مزید بیس منٹ انتظار کرنے کے بعد جب وہ پستہ قد کو نہ دیکھ سکا تو اُٹھ گیا۔ ایک نوٹ میز پر رکھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آگیا۔ پھر وہ اِدھر اُدھر نیم وا نگاہوں سے دیکھتا ہُوا موٹر سائیکل تک پہنچا۔ موٹر سائیکل پہلی ہی کک میں اسٹارٹ ہو گئی۔ وہ تیز رفتاری سے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بار بار اس کے ذہن میں وہ خوبصورت نوجوان گھوم رہا تھا جو اندھا تھا لیکن اس نے عالمی شہرت یافتہ نشانچی کو چیلنج کر دیا تھا۔ "وہ اب تک ضرور موت کے مُنہ میں پہنچ چکا ہو گا۔" صفدر نے زیرِ لب کہا۔

موٹر سائیکل تیز رفتاری سے تارکول کی سڑک پر اچھلتی ہوئی شہر پہنچ گئی۔ اس نے سب سے پہلے دکھائی دینے والے ٹیلی فون بوتھ کے قریب موٹر سائیکل روکی اور جلدی سے اندر گھس گیا۔ سکے مشین میں گرا کر ایکسٹو کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

چند ہی لمحوں بعد دوسری طرف سے ایکسٹو کی مخصوص بھرائی آواز سنائی دی: "ایکسٹو۔"

"میں صفدر بول رہا ہوں، جناب۔" یہ کہہ کر صفدر نے سارے حالات تفصیل سے ایکسٹو کے گوش گزار کر دیے۔

"بہت خوب، صفدر۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

"تھینک یو سر۔" صفدر کی آواز فرطِ مسرت سے لرز گئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر ماتحت تمھاری طرح آنکھیں کھُلی رکھا کرے۔ او کے۔ اب تم آرام کرو، میں خود دیکھوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔"

صفدر نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور موٹر سائیکل تک آیا۔ اگلے ہی لمحے وہ مسرور انداز میں سیٹی بجاتا ہُوا اپنے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

آج اندھے نوجوان اور عالمی شہرت یافتہ نشانچی، سینڈل پرانٹو کے مابین مقابلہ تھا۔ جو لوگ ایک روز پیشتر ہال میں موجود تھے، انھوں نے باہر جا کر اس مقابلے کی پبلسٹی کچھ اس طرح کی تھی کہ پورا دارالحکومت سرائے گراتو پر ٹوٹ پڑا تھا۔ رش کا یہ عالم تھا کہ ایک عالم وہاں موجود تھا۔ مجبوراً انتظامیہ کو پولیس طلب کرنا پڑ گئی تھی۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہُوا تھا، زائد سیٹوں کا گنجائش سے کچھ زیادہ ہی بندوبست کیا گیا تھا لیکن پورا شہر کسی ہال میں بھلا کس طرح سما سکتا تھا۔

حُکامِ بالا کو خصوصی طور پر یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ انھوں نے اس مقابلے کو ٹیلی کاسٹ کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ مایوسی سے جھلائے ہوئے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ اپنی نوعیت کا یہ انوکھا اور خطرناک ترین مقابلہ ٹیلی ویژن پر براہِ راست بھی دکھایا جا رہا ہے تو شور و غل میں قدرے کمی واقع ہو گئی۔

عمران اپنی سیٹ پر ساکت بیٹھا تھا۔ آج وہ اپنی پگڑی نہ جانے کیوں اُتار آیا تھا لیکن پگڑی کی غیر موجودگی اس لیے بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی کہ اس نے کئی مختلف رنگوں کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ رحمان صاحب آج بھی اس سے کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ اگرچہ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ سر سلطان سے گفتگو کرتے ہوئے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ انھوں نے ابھی تک عمران کو نہیں دیکھا لیکن عمران جانتا تھا کہ وہ کن انکھیوں سے کئی بار اُسے گھُور چکے ہیں اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔

مقابلہ ٹھیک آٹھ بجے شروع ہونا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں بار بار اپنی گھڑیوں کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ ہر شخص بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ نیوزی لینڈ کا سفیر اپنی اہلیہ کے ساتھ بیٹھا سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس کی اہلیہ بار بار کن انکھیوں سے عمران کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی جو وقفے وقفے سے اپنا دایاں کان جھاڑنے لگتا تھا۔

اسٹیج پر نیلے رنگ کی روشنی کا بطورِ خاص انتظام کیا گیا تھا۔ مقابلے اور پھر ایک اندھے کی نشانہ بازی

... ایڈونچر پسندوں کے جذبات عروج کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔ ہال میں، مدھم سُروں میں ایک مقبول دُھن، ان کے دلوں کو اور بھی شدت سے دھڑکا رہی تھی۔

اچانک، اسٹیج پر سینڈل پرانٹو دکھائی دیا۔

ہال میں تالیاں گونجنے لگیں۔

"ہیلو طوطے۔ آج تو قوسِ قزح کے تمام رنگ کپڑوں میں بھرے بیٹھے ہو۔"

اچانک عمران کے کانوں میں روشی کی آواز پڑی۔

وہ چونک کر اس کی طرف مڑا اور مسکرانے لگا۔ "خیال رہے۔ ڈیڈی بیٹھے ہیں۔" عمران نے آنکھ دبا کر کہا۔

"اوہ میرا تو خیال تھا آج بھی وہ یہاں نہیں بیٹھیں گے۔" روشی بھی جواباً مسکرانے لگی۔

"تم بھول رہی ہو ڈیئر۔ ان کا نام رحمان ہے، رمضان نہیں۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"میری موجودگی میں صرف رمضان ہی کو کچھ تکلیف ہو سکتی ہے۔" عمران نے بے ڈھنگے پن سے ہنس کر جواب دیا اور روشی منہ بنا کر اسٹیج کی طرف دیکھنے لگی۔

"حاضرین۔ سینڈل پرانٹو مقررہ وقت پر آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔" مائک پر سینڈل پرانٹو کی آواز سُنائی دی۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ "کیا وہ اندھا نوجوان مقابلے کے لیے تیار ہے۔ یا اس نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اگر اسے اب بھی اپنے نشانے پر اعتماد ہے تو سامنے آجائے۔"

سب لوگ عقبی نشستوں کی طرف دیکھنے لگے۔

"نہ جانے یہ اندھا کہاں چلا گیا۔" روشی نے سرگوشی کی۔

"معلوم نہیں۔" عمران نے مختصر سا جواب دیا اور اسٹیج کی طرف گھورتا رہا۔ اس وقت اس کا خون کھول رہا تھا۔ رات اندھے نوجوان اور اس کی ساتھی لڑکی کی لاشیں پُراسرار انداز میں غائب کر دی گئی تھیں کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ اندھا نشانے باز اس وقت موت کی وادیوں میں سویا ہوا ہے۔

پانچ منٹ گزر گئے۔ پھر مائیک پر سینڈل پرانٹو کی آواز اُبھری "حاضرین۔ مجھے خوشی ہے کہ اندھے نوجوان نے اپنا چیلنج واپس لے لیا۔ شاید اسی لیے وہ اب تک یہاں نہیں پہنچا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک دلچسپ مقابلے سے محروم رہ گئے۔ اس کے علاوہ آج آپ میرا مظاہرہ بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"کیوں۔ کیوں۔ کیوں؟"

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ زور زور سے چلانے لگے۔

"میں تب تک کوئی آئیٹم پیش نہیں کروں گا جب تک کہ وہ اندھا چیلنجر، بالمشافہ اس چیلنج کو واپس نہیں لے لیتا یا کوئی اور صاحب مجھے چیلنج نہیں کر دیتے۔" سینڈل پرانٹو یہ کہہ کر مائک کے سامنے سے ہٹ گیا۔

لوگ بے تحاشہ شور مچانے لگے۔

"حضرات۔" اچانک ایک لرزتی ہوئی آواز سُنائی دی۔ سب خاموش ہو کر اس طرف دیکھنے لگے جہاں عمران اپنے چہرے پر زلزلے کے سے آثار لیے کھڑا کانپ رہا تھا... پرانٹو بھی رُک کر دلچسپ نگاہوں سے اُسے گھورنے لگا۔ "مم۔ میں سردی سے کانپ رہا تھا۔ یہ مت خیال کیجیے کہ ڈر رہا ہوں۔ اگر آپ لوگ اجازت نہ دیں تو میں اس سینڈل صاحب سے مقابلہ کر لوں۔"

لوگ عمران کی باتوں پر ہنسنے لگے۔

"خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" روشی غرائی۔

"گگ۔ کیوں۔ میں پہلے بھی کئی بار آنکھوں پر خنجر باندھ کر پٹیاں مار چکا ہوں۔" عمران نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"کیا تم مجھے چیلنج کرنا چاہتے ہو، نوجوان۔" سینڈل پرانٹو کی آواز سُنائی دی۔

"ہاں..." عمران نے یہ کہہ کر کسی پہلوان کی طرح ران پر ہاتھ مارا اور میز سے ہٹ کر اسٹیج پر پہنچ گیا۔ اس نے مائک سنبھالا اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن میں ایک شرط پر یہ مقابلہ کروں گا۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" سینڈل پرانٹو نے دریافت کیا۔

"اگر تم ہار گئے تو بیس عدد سینڈل تمہاری کھوپڑی

پر مارے جائیں گے۔ اس کام کے لیے عورتوں کا انتخاب ابھی سے ہو جانا چاہیے۔"

"وہاٹ۔" سینڈل پرانٹو غرّا کر اُچھلا۔

"اگر تمھیں اپنے فن پر اعتماد ہے تو تم بھی کوئی شرط رکھ سکتے ہو۔" عمران نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

سینڈل پرانٹو حیرت سے آنکھیں اور منھ پھاڑے اس عجوبۂ روزگار شخصیت کو دیکھنے لگا۔ "ٹھیک ہے۔ مجھے تمھاری شرط منظور ہے۔" کچھ دیر بعد اس نے غرّا کر کہا۔

"تو بس پھر چند خواتین کی خدمات پہلے سے ہی حاصل کر لوں۔" عمران نے یہ کہہ کر مائک پر درخواست کی جس کے جواب میں کئی عورتوں نے ہاتھ اُٹھا کر اپنی خدمات پیش کرنے کی ہامی بھر لی۔

"ٹھیک ہے۔ لاؤ اِدھر ریوالور اور مقابلہ شروع۔۔۔" عمران نے پرانٹو کے ہولسٹر سے ایک ریوالور کھینچ لیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔

پرانٹو دونوں ہاتھ کمر پر رکھے، عمران کو گھور رہا تھا۔ اچانک اس نے پھرتی سے ریوالور نکالا اور دھائیں دھائیں۔ دھائیں کی آوازوں سے پورا ہال گونج اُٹھا۔ پے در پے تین فائروں سے اس نے تین گیندوں کے پرخچے اڑا دیے۔

اسٹیج پر دائیں طرف کی دیوار پر ایک گولا کسی پنڈولم کی طرح متحرک تھا۔ پرانٹو نے وقفے وقفے سے تین مرتبہ فائر کیے اور تینوں ہی مرتبہ پنڈولم سے گولیاں ٹکرانے کی آوازیں سُنائی دی تھیں۔ عمران ہونقوں کی طرح منھ پھاڑے یہ مظاہرہ دیکھ رہا تھا۔۔۔ پھر اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریوالور اُٹھایا اور دھائیں کی آواز سے پنڈولم جھن جھنا اُٹھا۔

پرانٹو نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا لیکن اس وقت تو اس کی صورت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، جب اچانک ہی عمران سر کے بل کھڑا ہو گیا تھا۔

دھائیں۔ دھائیں۔ دھائیں۔

تین بار ریوالور گرجا اور تینوں ہی مرتبہ پنڈولم کے گولے کی جھنکار سُنائی دی۔

"ہاں تو حاضرین اب میں فائر کرنے جا رہا ہوں۔"

عمران نے سیدھا ہو کر ہوئے ہانک لگائی۔ "اس مرتبہ مسٹر پرانٹو میری چلائی ہوئی گولی کو اپنے ریوالور سے فائر کر کے روکیں گے۔"

"تم پاگل ہو۔" پرانٹو دھاڑا۔

"اچھا۔" عمران نے حیرت سے کہا اور بوکھلا کر اپنا سر ٹٹولنے لگا۔ "تو پھر تم گولی چلاؤ، میری خدمات حاضر ہیں۔"

"یہ لو۔۔۔" پرانٹو نے فائر جھونک مارا اور پھر اس کا منھ حیرت سے کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔ عمران کے ریوالور سے نکلنے والی گولی عین اس کی گولی پر پڑی تھی اور اسٹیج پر ایک زوردار دھماکا ہُوا تھا۔

لوگوں کو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔ وہ یوں کھوئی کھوئی سی نگاہوں سے اسٹیج کی طرف دیکھ رہے تھے، جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہے ہوں۔

"ناممکن۔۔۔" پرانٹو بڑبڑایا۔ "یہ محض اتفاق تھا۔" آخری جملہ اس نے جھلا کر کہا۔

"تو پھر آزما لو پیارے۔" عمران کے ہونٹوں پر تاؤ دلانے والی مسکراہٹ آگئی۔ وہ اُس سے اتنے فاصلے پر کھڑا اُس کے ریوالور کو گھور رہا تھا جہاں سے اسٹیج کے عقبی حصے کی طرف چلائی گئی گولی اور اس کے ریوالور سے نکلنے والی گولی میں فاصلہ برابر ہی تھا۔

سینڈل پرانٹو نے اوپر تلے تین فائر کیے۔

تین مرتبہ اسٹیج پر دھماکے ہوئے اور چنگاریاں اُڑیں۔

عمران نے بآسانی اس کی گولیوں کو نشانہ بنا لیا تھا۔

اس مرتبہ پرانٹو بغور اس کی حرکات دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے عمران کو فائر کرنے کا اشارہ کیا۔ عمران نے ایک فائر کیا۔ اسی لمحے پرانٹو نے بھی فائر کیا لیکن دونوں گولیاں اوپر تلے سرسراتی ہوئی دیواروں میں گھس گئیں۔ سینڈل پرانٹو نے تلملا کر پہلو بدلا۔ عمران نے اوپر تلے دو فائر کیے لیکن پرانٹو کی ایک بھی گولی اس کی چلائی ہوئی گولی کو نہ چھُو سکی۔

"کیا تم سینڈلوں کی تواضع کے لیے تیار ہو مسٹر۔" عمران نے جھک کر تسلیم بجالاتے ہوئے کہا۔

"اور کوئی آئیٹم پیش کرو۔" سینڈل پرانٹو حلق کے

بل چیخا۔ اس کے چہرے پر وحشت طاری تھی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جبڑے اتنی سختی سے بھینچ گئے تھے کہ رخساروں سے جبڑوں کی ہڈیاں جھلک آئی تھیں، اتنی عبرتناک شکست تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

"بہت خوب۔ ایک نہیں ایک سو، میری جان۔" عمران نے مسکرا کر کہا اور پھر ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف پلٹ کر بولا۔ "حضرات۔ اب آپ اس شوٹنگ کا سب سے خوفناک اور سنسنی خیز آئیٹم ملاحظہ فرمائیں۔ میں فائر کروں گا اور پرانٹو صاحب خود کو گولی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے۔"

"وہاٹ۔۔۔" سینڈل پرانٹو حیرت سے اچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کوئی اعتراض ہے، پیارے؟"

"تم پاگل ہو۔" وہ چیخ پڑا۔

"اندھا تو نہیں ہوں۔" عمران نے زیر لب کہا۔

پرانٹو منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھنے لگا اندھے کے حوالے پر وہ بری طرح چونک پڑا تھا۔

"کیا تم تیار ہو؟" عمران نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ ناممکن ہے۔" پرانٹو نے چیخ کر کہا۔

"اگر یہ ناممکن ہے تو تم مجھ پر اپنی گولیاں آزما کر دیکھ سکتے ہو۔" عمران نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"میں کہتا ہوں، تم پاگل ہو گئے ہو یہ ناممکن ہے۔" پرانٹو چیخا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بے ساختہ طور پر اس کی انگلی دب گئی۔

ایک دھماکا ہوا۔

سنسناتی ہوئی گولی، ریوالور سے نکلی اور کارک کی دیوار میں پیوست ہو گئی۔ اگرچہ عمران نشانے پر کھڑا تھا لیکن گولی چلتے ہی وہ سنگ آرٹ کا مظاہرہ کر کے دور ہٹ گیا تھا۔

سینڈل پرانٹو پر دیوانگی سوار ہو گئی اور ہال میں لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا، ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اتنی خاموشی۔۔۔ ہزاروں آدمی، پتھر کے بتوں کی طرح ساکت و جامد بیٹھے ہوئے تھے۔ ہلکی سی سرگوشی بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

معاً پے در پے کئی دھماکے ہوئے لیکن عمران ہر مرتبہ اچھل کر خود کو گولیوں سے محفوظ کر لیتا۔ چند ہی لمحوں کے بعد سینڈل پرانٹو نے ریوالور پھینک دیا اور سر جھکا لیا۔

"حاضرین، اس نے شکست تسلیم کر لی ہے۔" عمران نے سینڈل پرانٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ خواتین جنھوں نے سینڈل آزمانے کا وعدہ کیا تھا اسٹیج پر آجائیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔"

عمران نے آخری جملہ پرانٹو کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس نے خاموشی سے سر جھکائے رکھا۔

کئی عورتیں سینڈل سنبھالے اسٹیج پر آ گئیں عمران جھک جھک حاضرین کی خدمت میں کورنش بجا لانے لگا۔ لوگوں کا تالیاں پیٹ پیٹ کر برا حال ہو گیا۔ عمران نے ہال میں بیٹھے ہوئے رحمان صاحب کی طرف دیکھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی رحمان صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور عمران بغلیں جھانکنے لگا۔

اسٹیج پر خواتین، سینڈل پرانٹو کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ اچانک ہی پورا ہال تاریکی میں ڈوب گیا۔

عمران نے اندھا دھند، اسٹیج سے نیچے چھلانگ لگا دی اور لوگوں کو دھکیل کر اندازے سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

عمران نے اپنی ٹو سیٹر روک دی اور نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نگاہیں سامنے والے بار کے دروازے پر جم گئیں جس پر سی بریز کے نیون سائین میں رنگا رنگ روشنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ شام کے سائے ڈھل گئے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

سی بریز ایک ساحلی بار تھا جہاں عمران اکثر آچکا تھا۔ بار کا مالک ایک مقامی غنڈہ تھا جو ان دنوں بظاہر صاف ستھری زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس وقت عمران کے چہرے پر کسی ادھیڑ عمر آدمی کا میک اپ تھا۔ ہلکی داڑھی تھی جس میں کہیں کہیں سفید بال بھی جھلک رہے تھے۔ سر پر ایک پرانی سی فیلٹ ہیٹ اور جسم پر ایسا سوٹ تھا جسے دیکھ کر باآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا

کہ پہننے والے اور لانڈری والے کے مابین کوئی خاص دشمنی ہے۔ ورنہ وہ اسے کم از کم ایک بار تو ضرور دُھلوا لیتا۔ اس نے ٹوسیٹر بار سے کافی فاصلے پر روکی تھی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ خاموشی سے بار کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے سے گزر کر وہ ہال میں پہنچا تو کاؤنٹر پر ایک خوفناک صورت والا شخص دکھائی دیا۔ یہ ہارڈی تھا... بار کا مالک۔

عمران کاؤنٹر کے سامنے سے گزر کر ایک ایسی میز پر جا پہنچا جہاں سے پورے ہال پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ ٹائلٹ کی طرف جانے والی راہداری سے چند قدم اِدھر، وہ ایک میز پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اُس نے خوابناک نگاہوں سے پورے ہال کا جائزہ لیا لیکن کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ہارڈی نے بھی محض ایک بار نگاہیں اٹھا کر دیکھا تھا اور پھر کاؤنٹر پہ کھڑے گاہکوں کو نمٹانے میں لگ گیا تھا۔

چند لمحوں بعد ایک ویٹر عمران کے قریب آیا اور بولا۔ "فرمائیے جناب۔"

"جائیے۔ کہاں جائیے۔ ایں۔!" عمران چونک کر بولا اور پھر پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے ویٹر کو گھورنے لگا۔

"کیا لاؤں؟" ویٹر کا موڈ بھی بگڑ گیا۔

"بُلاؤں سب جسے چاہے بُلاؤ۔ میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔" عمران حلق پھاڑ کر بولا۔ اور پھر مسلسل چیخنے لگا۔

بار میں سناٹا چھا گیا ہر کوئی ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ویٹر نے بے قراری سے ہارڈی کی طرف دیکھا۔ ہارڈی انہی کی طرف آ رہا تھا عمران اب بھی گلا پھاڑ پھاڑ کر ویٹر کو دھمکیاں دے رہا تھا۔ "میں اس جیسے پچاسوں بار خرید کر یہاں گدھے اور گھوڑے باندھ سکتا ہوں۔ کیا سمجھ رکھا ہے، آخر تم نے۔"

"کیا بات ہے، ٹونی۔" ہارڈی نے قریب آتے ہوئے دریافت کیا۔ لیکن عمران اس کی آمد سے لاپروا، مسلسل بکتا جھکتا رہا۔

"معلوم نہیں باس! میں نے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا لاؤں۔ بس اسی پر برہم ہو گیا ہے۔ شاید پہلے سے پیئے ہوئے ہے۔"

"ہوں۔" ہارڈی نے عمران کی طرف دیکھا اور پھر اس نے بے تکلفی سے ایک ہاتھ عمران کی پیٹھ پر مارتے ہوئے دریافت کیا۔ "کیا بات ہے، بڑے میاں، کیوں چلا رہے ہو؟"

ہارڈی کے لہجے میں خاصی گھن گرج تھی۔ اس لیے عمران چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر دھاڑا "تم کون ہو۔"

"مجھے ہارڈی کہتے ہیں۔"

"اچھا۔" عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا پھر جیبیں ٹٹول کر چشمہ برآمد کیا اور چشمہ پہن کر اس نے تفصیل سے ہارڈی کا معائنہ کیا۔ "اگر تم ہی ہارڈی ہو تو مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" عمران نے کھانستے ہوئے، اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔

ہارڈی نے اس کا کانپتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا پھر اچانک ہی عمران، اُس کی بغل سے نکلتا ہوا منہ کے بل فرش پر جا پڑا۔ ہارڈی نے اتنا اچانک جھٹکا مارا کہ لاکھ سنبھلنے کے باوجود عمران سنبھل نہیں سکا تھا۔ فرش سے اُٹھ کر اس نے دونوں ہاتھ جھاڑے اور یوں ہارڈی کی طرف دیکھنے لگا جیسے ابھی اس پر جھپٹ پڑے گا۔

"سنو بڑے میاں۔" ہارڈی غرایا۔ "اسے پہلی اور آخری تنبیہ سمجھ لو۔ میں یہاں کسی قسم کا ہنگامہ برداشت نہیں کرتا۔"

"بہت اچھا۔" عمران نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔ ہارڈی واپسی کے لیے پلٹا ہی تھا کہ عمران کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

ہارڈی پلٹ کر غرایا۔ "کیا بات ہے۔"

"بات سنو، صاحبزادے۔" عمران نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے گھور کر کہا۔ "میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"جلدی بکو۔" ہارڈی بُرا سا منہ بنا کر دھاڑا۔ اور پھر تھوتھنی پکڑے فرش سے دو فٹ اُوپر اُچھلتا ہوا

دھپ سے فرش پر گر گیا۔ عمران نے پوری قوت سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ایک گھونسہ جما دیا تھا۔ ہارڈی نے باچھوں سے بہنے والے خون کو آستین سے پونچھا اور کھڑا ہو گیا۔ اب وہ حیرت سے عمران کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو دانت نکالے ہنس رہا تھا۔

"سنو ڈالڈا بدمعاش۔ اگر آئندہ تم نے مجھ جیسے ناتواں بوڑھے کو جھٹکا دیا تو چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں گا۔"

"آہم۔" ہارڈی کے حلق سے زخمی درندے کی سی غراہٹ نکلی اور وہ کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھل کر عمران پر آرہا۔ اس کا ریچھ نما جسم لمحے بھر کے لیے ہوا میں دکھائی دیا اور پھر وہ چاروں خانے چت فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ عمران بڑی پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔۔۔ لیکن اگلے ہی لمحے کئی آدمی عمران سے لپٹ گئے، بالکل جونکوں کی طرح۔۔۔ عمران ہاتھ پاؤں ہی مارتا رہ گیا۔ کئی تابڑ توڑ گھونسوں نے اسے فرش دکھا دیا۔ ہارڈی نے سب کو الگ ہونے کا حکم دیا اور پھر اس نے عمران کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عمران ساکت پڑا ہوا تھا۔

"اسے اوپر لے جاؤ۔ میں اسے ایسا سبق دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔" ہارڈی کسی کتے کی طرح غرایا۔

اس کے آدمیوں نے عمران کو اٹھا لیا اور اوپر لے گئے جہاں عمران کو ایک کمرے میں ڈال دیا گیا۔

جب سب لوگ چلے گئے اور دروازہ لاک ہونے کی آواز سنائی دی تو عمران اٹھ بیٹھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کھوپڑی ٹٹولی اور برے برے سے منہ بنانے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

کمرے میں جدید ترین آرائشی سامان تھا لیکن چند تصاویر کمرے کے مکین کی گھٹیا ذہنیت کی چغلی کھا رہی تھیں۔ عمران دبے پاؤں دروازے تک گیا۔ پھر کی ہول پر جھک کر باہر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کھٹ کھٹ۔۔۔ کھٹ کھٹ۔" عمران نے بہت ہی دھیمی سی دستک دی لیکن باہر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ اطمینان کر کے کہ اس کی نگرانی کے لیے باہر کوئی بھی موجود نہیں، عمران نے چٹخنی چڑھا دی اور کمرے کی تلاشی لینے لگا۔

کوئی کام کی چیز ہاتھ نہ لگی۔

عمران ایک مرتبہ پھر گربہ پا دروازے تک گیا اور آہستگی سے چٹخنی گرا دی۔ اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ فرش پر بے سدھ لیٹا دکھائی دیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور یوں پڑا ہوا تھا جیسے بہت دیر سے بے ہوش رہا ہو۔

صفدر نے جس پستہ قد آدمی کا تذکرہ اپنی رپورٹ میں کیا تھا وہ اسی بار میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ عمران اگرچہ بارہا ہارڈی کی بار میں آچکا تھا لیکن اوپر آنے کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ عمران نے دو ایک مرتبہ نشے میں دھت شرابیوں کو اوپر آنے والے راستے کی طرف مڑتے دیکھا بھی تھا تو ہارڈی کے آدمیوں نے ان کا جو حشر کیا تھا، وہ بھی اسے یاد تھا۔ جذبۂ تجسس نے کئی بار اسے مجبور کیا کہ وہ ایک نظر اوپر آکر دیکھ ڈالے لیکن ماضی میں کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ عمران کی دانست میں ہارڈی نے دوسری منزل پر جوئے کا خفیہ اڈا بنا رکھا تھا۔ لیکن پستہ قد آدمی نے حیرت انگیز طور پر غائب ہو کر بالآخر عمران کو اوپر آنے پر مجبور کر ہی دیا۔

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ ہارڈی سنک گیا تھا۔ ورنہ وہ اسے اٹھوا کر باہر بھی پھنکوا سکتا تھا۔ بہرطور اب تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہو ہی گئی تھی۔ ابھی اسے لیٹے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اس نے چابی گھومنے کی آواز سنی۔ عمران نے دم سادھ لیا۔ آنے والا ہارڈی تھا۔

"کیا یہ ابھی تک بے ہوش ہے؟" ہارڈی کی آواز سنائی دی۔

"مجھے تو یہ کوئی مخبوط الحواس شخص دکھائی دیتا ہے، باس۔" کوئی کہہ رہا تھا۔ اتنے میں ایک اور شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ "باس، جیگر آپ کو یاد کر رہا ہے۔"

"اسے یہیں بھیج دو۔" ہارڈی غرایا۔

عمران خاموشی سے بے ہوش پڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دائیں آنکھ میں ہلکی سی جھری پیدا

کرکے دیکھا۔ ہارڈی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے علاوہ ایک گینڈے کی طرح پھولا ہوا شخص بھی تھا جو دروازے میں جما ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے سے قدموں کی چاپ دوبارہ سنائی دی۔

عمران نے آنکھوں کی جھری سے دیکھا اور اس کا جی چاہا کہ بے اختیار نعرہ لگا کر اٹھ بیٹھے۔ دروازے میں وہی پستہ قد آدمی کھڑا تھا جسے عمران نے اندھے نشانچی کی جیب میں ڈبیہ ڈالتے دیکھا تھا۔

"ہارڈی۔ میں اب زیادہ دن یہاں نہیں رک سکتا" پستہ قد کی آواز سنائی دی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن کام ختم ہونے سے پہلے تم کیسے واپس جا سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے، ہم نے اس اندھے کو ختم کرکے بڑی غلطی کی ہے۔"

"ہاں۔ اس طرح اس کیپ کا پتہ لگانا خاصا دشوار ہو گیا ہے۔" ہارڈی کی پرسوچ آواز سنائی دی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ اندھے کو ایک قیدی سے ملاقات کرتے دیکھا تھا؟"

"ہاں۔ میں اس روز لوٹی سے ملنے گیا تھا۔ وہیں میں نے اس اندھے کو ایک قیدی سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے، اندھے نے کیپ اس کے حوالے کر دی تھی۔"

"اوہ۔ یہ معاملہ تو دن بدن الجھتا ہی جا رہا ہے ادھر باس نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ باس آج کل وہ کیپ حاصل کرنے کے لیے بہت بے قرار ہے۔"

"باس آج کل یہیں ہے؟" ہارڈی نے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ بالکل آسیب کی طرح ہے۔ آج بھی ٹرانسمیٹر پر ہی گفتگو ہوئی تھی۔" جیگر نے جواب دیا۔ "اوہ یہ کون ہے؟" شاید پستہ قد کی نگاہ پہلی بار عمران پر پڑی تھی۔

"معلوم نہیں، نیچے ہنگامہ کر رہا تھا۔"

"ہنگامہ کر رہا تھا" جیگر کے لہجے سے الجھن ظاہر ہونے لگی۔ "لیکن تم نے اسے اوپر کیوں ڈال رکھا ہے۔"

"دراصل میں اسے اچھی طرح سبق دینا چاہتا ہوں۔"

ہارڈی نے یہ کہہ کر ایک زوردار ٹھوکر عمران کی پسلی میں جمائی۔ اگر عمران کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً چیخ کر اٹھ بیٹھتا لیکن عمران یوں لڑھک گیا جیسے ہارڈی نے کسی لاش کو ٹھوکر ماری ہو۔

"حماقت۔ باس نے سختی سے اجنبی لوگوں کو بار سے دور رکھنے کا حکم دیا تھا" جیگر کی پرتشویش آواز سنائی دی۔

"بس اس وقت غصے میں آگیا۔ میں کچھ سنک ہی گیا تھا۔ بہر طور پھنکوائے دیتا ہوں۔" ہارڈی نے جلدی سے جواب دیا۔ اور دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی سے کہا کہ عمران کو اٹھا کر بار سے باہر پھینک دے۔

عین اسی وقت عمران کی آنکھیں پھڑپھڑائیں۔ اس نے دیدے گھمائے اور اچک کر بیٹھ گیا۔ پھر حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "ہائیں۔ میں کہاں ہوں۔"

"تم اس وقت موت کے منہ میں ہو بڑے میاں۔ لیکن اس مرتبہ تمہیں معاف کیے دیتا ہوں اگر تم نے بار میں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔" ہارڈی نے غراتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔" عمران نے کان جھکا کر بہرے پن کا مظاہرہ کیا۔

"بس اب جاؤ۔" ہارڈی غرایا۔

عمران خاموشی سے اٹھا اور انہیں گھورتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چلتے وقت اس نے کن انکھیوں سے پستہ قد کی طرف دیکھا جو بغور اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ عمران نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کے تاثرات ہیں۔ وہ وہاں رکا نہیں۔ تیزی سے نیچے پہنچا اور پھر بار سے باہر نکل آیا۔ اس نے ایک نظر ادھر ادھر دیکھا پھر جیب سے چشمہ نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ چشمے کی سطح مرکری پینٹ سے چمک رہی تھی۔ اس نے چشمے کو اس طرح ہاتھ میں لے لیا کہ عقبی منظر دکھائی دیتا رہے۔

بار سے کافی آگے آ کر اسے اطمینان ہو گیا کہ

کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا ہے۔ وہ تیزی سے اس طرف چل دیا جہاں اس نے اپنی ٹوسیٹر پارک کی تھی۔

چند لمحے بعد وہ اپنی ٹوسیٹر میں شہر کی طرف جا رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پر اسرار مسکراہٹ اور آنکھوں میں زبردست چمک تھی ایسی چمک جو عموماً کسی راز کی تہ تک پہنچتے ہی اس کی آنکھوں میں پیدا ہو جاتی تھی۔

عمران بڑے مسرور انداز میں ٹوسیٹر کو تیز ڈرائیو کرتا ہوا شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ عقب نما آئینے پر پڑی۔ وہ چونک پڑا۔ بہت دور پیچھے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھیں۔ اگرچہ اس نے خاصی دیکھ بھال کے بعد ٹوسیٹر اسٹارٹ کی تھی لیکن تعاقب کے بارے میں اس کی چھٹی حس اب بار بار اشارے کر رہی تھی۔ اس نے پھرتی سے بریک لگائے اور ٹوسیٹر روک دی۔ پھر نیچے اتر کر ٹائروں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی ٹائر میں ہوا کی کمی کا شبہ ہو گیا ہو۔

پیچھے سے آنے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس قریب آتی جا رہی تھیں۔ عمران کن انکھیوں سے ادھر دیکھتا رہا اور اپنے کام میں مصروف رہا۔ ٹوسیٹر اس نے سڑک سے اتار کر کھڑی کی تھی اس لیے پچھلی گاڑی کے لیے راستہ صاف تھا۔

ہیڈ لائٹس اس کے بالکل قریب پہنچ گئیں۔ اور پھر ایک سیاہ رنگ کی آسٹن تیز رفتاری سے گزر گئی۔ آسٹن میں اندھیرا تھا اس لیے عمران یہ نہیں دیکھ سکا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہے۔

عمران ٹوسیٹر کے پاس کھڑا اپنی جیبیں ٹٹولتا رہا پھر چیونگم کا پیکٹ نکال کر دو تین پیس منہ میں ڈالے اور جگالی کرنے لگا۔ اس کی نگاہیں ان سرخ بتیوں پر مرکوز تھیں جو اب بہت دور، انگاروں کی طرح دہکتی نظر آ رہی تھیں۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو اس نے ایک طویل سانس لی اور دوبارہ ٹوسیٹر میں آ بیٹھا۔ اگنیشن میں چابی گھمائی۔ ٹوسیٹر کا انجن دو ایک بار جھرجھرایا اور خاموش ہو گیا۔ "کیا ارادے ہیں خاتون۔ سڑک سنسان ہے اور رات ٹھنڈی۔" عمران نے بڑبڑا کر دوبارہ چابی گھمائی۔ اس مرتبہ انجن بیدار ہو گیا۔ عمران نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

وہ بڑے محتاط انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

سامنے حدِ نگاہ تک سڑک ویران اور اندھیری تھی۔ عمران کو شبہ ہو گیا کہ اسے تعاقب کے بارے غلط فہمی ہوئی تھی لیکن اس چھٹی حس کو کیا کرتا جو بار بار اس کے ذہن میں کچو کے لگا رہی تھی چیونگم چباتے ہوئے اس کی نظریں بڑے چوکس انداز میں سڑک کے دائیں دیکھ رہی تھیں۔ اور پھر اس کی نگاہوں سے وہ آسٹن چھپی نہ رہ سکی جو دائیں جانب جھاڑیوں میں اس طرح کھڑی تھی کہ سرسری نگاہ میں اسے دیکھنا مشکل ہی تھا۔ عمران کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس نے ٹوسیٹر کی رفتار بڑھا دی۔

دس منٹ بعد وہ شہر پہنچ گیا۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت بھی ہلکا پھلکا ٹریفک تھا۔ عمران عقبی آئینے میں اس سیاہ آسٹن کو دیکھ رہا تھا جو محتاط انداز میں اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اچانک ہی عمران کے ذہن میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے ٹوسیٹر کا رخ اپنے فلیٹ کی طرف موڑ دیا۔

گاڑی گیراج میں بند کر کے جب وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچا تو اس نے سیاہ آسٹن کو دیکھ لیا جو بہت پیچھے ایک چوراہے پر رک گئی تھی۔

عمران سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

فلیٹ میں داخل ہوتے ہی وہ باہر کھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ کھڑکی کھولی اور نیچے جھانکنے لگا۔ سیاہ آسٹن اب عمارت کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے ایک دراز قد آدمی اترتا نظر آیا۔ دراز قد آدمی نے آسٹن کا دروازہ بند کیا اور کار سے ٹیک لگا کر جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر

اس نے لائٹر کا شعلہ جلایا اور سگریٹ سُلگانے لگا۔ سگریٹ سُلگا کر وہ عمارت کے اس حصّے کی طرف دیکھنے لگا جہاں عمران کھڑا تھا۔

عمران نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد روشنی نہیں کی تھی۔ پھر کھڑکی کے سامنے ایک گھنا درخت تھا جس کے سائے نے کھلی کھڑکی کو یوں بھی چھپا رکھا تھا۔ اس لیے عمارت کے سامنے، نیچے فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا آدمی، عمران کو نہ دیکھ سکا۔ وہ اب بھی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑکیوں کی طرف گھور رہا تھا۔

عمران کھڑکی کے قریب سے ہٹ گیا۔ اس نے ایکسٹو کے فون پر صفدر کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

رات خاصی بیت گئی تھی تاہم صفدر نے جلد ہی دوسری طرف سے ریسیور اُٹھالیا۔ ”صفدر دس سائیڈ۔“ صفدر کی خوابناک آواز سنائی دی۔

”ایکسٹو...“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”یس سر۔ ایٹ یور سروس۔“ اس مرتبہ صفدر کے لہجے سے مستعدی جھلک رہی تھی۔

”عمران والی عمارت کے سامنے ایک شخص سیاہ آسٹن سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔ اسے عمران کے فلیٹ میں پہنچا دو۔ خیال رہے، بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔“

”آپ بے فکر رہیں جناب۔“ صفدر نے جلدی سے جواب دیا۔ ”میں دس منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

عمران نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ ایک مرتبہ پھر وہ کھڑکی کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے جھانک کر نیچے دیکھا۔ سیاہ آسٹن اس وقت بھی فٹ پاتھ سے لگی کھڑی تھی اور وہ شخص پہلے کی طرح کار سے ٹیک لگائے مطمئن انداز میں سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

عمران خاموشی سے کھڑا چیونگم چباتا رہا۔

ٹھیک دس منٹ بعد اُسے صفدر دکھائی دیا۔ وہ چوراہے کی طرف سے پیدل ہی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چال سے لاپروائی ظاہر ہو رہی تھی سیاہ گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے اچانک ہی رُکتے ہوئے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ پھر سگریٹ مُنہ میں دبا کر غالباً اس نے عمران کا تعاقب کرنے والے سے ماچس مانگی تھی۔

عمران کھڑکی میں کھڑا دیکھتا رہا۔ دفعتاً اس نے صفدر کا متحرک ہاتھ دیکھا۔ ہاتھ پوری قوت سے اس شخص کی ٹھوڑی سے ٹکرایا۔ وہ ذرا سا لڑکھڑایا اسی لمحے صفدر نے جیب سے ریوالور نکال کر اس شخص کی طرف تان لیا۔

”حماقت۔“ عمران بڑبڑایا لیکن اگلے ہی لمحے وہ صفدر کی ہوشیاری کا قائل ہو گیا۔ صفدر نے اس شخص کو مُنہ پھیرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ گھوما صفدر نے پوری قوت سے ریوالور کا دستہ اس کی کھوپڑی کے عقبی حصّے پر آزما ڈالا۔ عمران نے اس شخص کو ڈھیر ہوتے دیکھا۔

صفدر نے جھک کر بے ہوش آدمی کو کندھے پر ڈال لیا اور عمارت کی سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ عمران تیزی سے سوئچ بورڈ کی طرف لپکا سوئچ آن کیا۔ کمرے میں روشنی ہوتے ہی وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد صفدر ہانپتا ہوا سیڑھیاں طے کر کے اوپر آگیا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ عمران کے فلیٹ کے دروازے پر پڑی وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

”چلے آؤ صاحبزادے، یہ میں ہوں۔ تمہارا بدنصیب خالو۔“ عمران نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

صفدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عمران اس وقت بھی میک اپ میں ہی تھا۔ اس لیے صفدر کا چونکنا اپنی جگہ درست ہی تھا۔

صفدر بے ہوش آدمی کو بیڈ روم میں لے آیا اور بے دردی سے مسہری پر پھینک دیا۔ دونوں ہاتھ جھاڑ کر اس نے چند طویل سانسیں لیں۔ پھر بولا۔ ”کیا بات ہے عمران صاحب۔ یہ محترم کس خوشی میں آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔“

”کیا بتاؤں پیارے۔ تم تو جانتے ہی ہو جوانی دیوانی ہوتی ہے۔“

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" صفدر حیرت سے بولا۔

"ارے بھائی جوان لڑکی ہو یا لڑکا۔ لوگوں کی نگاہوں کو کون روک سکتا ہے۔" عمران یہ کہہ کر داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ صفدر نے ہنستے ہنستے پیٹ پکڑ لیا۔

"میرا خیال ہے پہلے اسے باندھ ڈالو۔" عمران نے کونے میں پڑی ہوئی ڈوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

صفدر ڈوری اٹھا لایا اور بے ہوش آدمی کو بری طرح جکڑ دیا۔

"اب اس کی تلاشی بھی لے ڈالو پیارے، میں ذرا اس بڑھاپے کو اُتار آؤں۔" عمران نے مصنوعی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دوسرے کمرے کا رخ کیا۔

صفدر بے ہوش آدمی کی تلاشی سے فارغ ہوا ہی تھا کہ عمران میک اپ اُتار کر واپس آگیا۔ اب اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح حماقتوں کے ڈونگرے برس رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، یہ میک اپ میں ہے، عمران صاحب۔" صفدر نے جھک کر اس کے چہرے کو ٹٹولا اور پھر کنپٹی سے ابھری ہوئی کھال پکڑ کر کھینچ لی۔

"ہارڈی...." عمران کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

صفدر سوالیہ نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ عمران نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ بڑے جوش و خروش سے چیونگم چبانے لگا۔ "لاؤ... کیا نکلا اس کی جیبوں سے۔" عمران نے ہاتھ بڑھا کر نیلے رنگ کا تہہ کیا ہوا کاغذ لے لیا۔ کاغذ کھول کر پڑھتے ہی، وہ بری طرح اچھل پڑا۔ صفدر بھی کاغذ پر جھک گیا۔ شکستہ سی تحریر تھی۔

"آج رات ایک بجے قیدی کو فرار کروا دیا جائے گا۔"

"یہ کیا اسرار ہے، عمران صاحب؟"

"صبر کرو پیارے۔ پھر کبھی، فرصت کے وقت ایک بجنے میں بیس منٹ باقی ہیں۔ اسے دانش منزل پہنچا دو۔ اچھا ٹاٹا۔ تمہاری موٹر سائیکل غالباً چوراہے پر ہے نا؟"

صفدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عمران تیزی سے دوڑتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا اور صفدر جھک کر بے ہوش آدمی کو اٹھانے لگا۔ ایک مرتبہ پھر وہ بے ہوش اور وزنی جسم کو اٹھائے سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔



عمران دوڑتا ہوا چوراہے پر پہنچا اور کئی قدم دور سے ہی اچھل کر موٹر سائیکل کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ موٹر سائیکل دھکا لگنے سے اسٹینڈ سے اُتر گئی۔ عمران نے پھرتی سے ہینڈل سنبھالا اور پوری قوت سے کک لگائی۔ زبردست گڑگڑاہٹ سے انجن بیدار ہو گیا۔ رات کا سناٹا مجروح ہوا اور پھٹ پھٹ کی کان پھاڑ آواز سے، طوفانی جھونکے کی طرح سڑک پر دوڑنے لگا۔

عمران کے ذہن میں بار بار ہارڈی کی جیب سے نکلا ہوا پیغام گردش کر رہا تھا۔ ہر مرتبہ جب بھی قیدی کے فرار ہونے کا خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوتا، وہ رفتار بڑھا دیتا۔ ٹھیک دس منٹ بعد وہ سنٹرل جیل کے قریب پہنچ گیا۔ رفتار آہستہ کر کے عمران نے میٹر کے نیچے لگے ایک کلپ کو حرکت دی۔ موٹر سائیکل کی پھٹ پھٹاہٹ انتہائی مدھم ہو گئی، صفدر کا یہ موٹر سائیکل انتہائی جدید ترین ماڈل کا تھا۔ اس میں ایسے انسٹرومنٹ لگے ہوئے تھے کہ بوقت ضرورت انجن کی معمولی سی آواز بھی ختم کی جا سکتی تھی۔

جیل کی فلک بوس فصیل کے گرد گردش کرتی ہوئی ایک سڑک تھی جس کے دونوں کناروں پر گھنے درختوں کی قطار تھی۔ عمران نے جیل کے گرد گھومتی ہوئی اس سڑک پر ایک چکر لگایا تو اس کی نظر اس سیاہ ویگن پر پڑی جو مشکوک انداز میں فصیل کے قریب سڑک پر کھڑی تھی۔ عمران لاپرواہی سے کراس کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پہلے موڑ سے دائیں طرف گھوم گیا۔ موڑ مڑتے ہی اس

نے موٹر سائیکل روک دی۔ موٹر سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کی اور موٹے موٹے درختوں کے تنوں کی آڑ لیتا ہُوا موڑ پر آ کھڑا ہُوا۔ یہاں سے وہ سیاہ ویگن صاف دکھائی دے رہی تھی۔

عمران نے چیونگم کا پیس مُنہ میں ڈالا اور اُسے دھیرے دھیرے چبانے لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ آنکھیں حلقوں میں اِدھر اُدھر چکرا رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ ریڈیم ڈائل رلیسٹ واچ پر وقت بھی دیکھ لیتا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ جیل کی فلک بوس فصیل کی طرف اُٹھ گئی۔

دیوار کے اوپر ایک دھبّہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ عمران گہری توجہ سے اس دھبّے کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس دھبّے میں حرکت ہوئی اور عمران نے اسے چند لمحے ہوا میں معلق رہ کر نیچے گرتے دیکھا۔ دھپ کی ہلکی سی آواز سُنائی دی۔ سیاہ دھبّہ زمین سے چپک گیا۔ اسی لمحے رات کے سنّاٹے میں پُرشور سیٹیاں بجنے لگیں۔

عمران نے کچھ سائے دیکھے، جو دیوار کے اوپر کھڑے، جھک جھک کر نیچے دیکھ رہے تھے۔ اچانک ایک شعلہ سا زمین کی طرف لپکا۔

سیاہ دھبّہ جو کوئی مفرور قیدی ہی تھا، اُٹھ کر بھاگا۔ عمران نے تنے کے پیچھے دُبکے دیکھا ویگن میں بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے دو ایک نے دیوار کی طرف جوابی فائرنگ بھی شروع کر دی تھی۔

قیدی بھاگتا ہُوا سڑک پر پہنچا تو ویگن والوں نے اسے اندر کھینچ لیا۔ پھر فائرنگ اور سیٹیوں کی آوازوں کو بہت پیچھے چھوڑتی ہوئی ویگن، عمران کے سامنے سے گزر گئی۔

عمران نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور مناسب فاصلے سے سیاہ ویگن کا تعاقب کرنے لگا۔ ہیڈ لائٹ اس نے پہلے سے بجھا رکھی تھی اس لیے تعاقب کی نشاندہی کا اندیشہ نہیں تھا۔

سیاہ ویگن کی رفتار بے حد تیز تھی۔

عمران بھی اسی رفتار سے تعاقب کر رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سختی سے ہینڈل پر جمے ہوئے تھے۔ گرد و پیش سے پوری طرح چوکنا، وہ خاموشی سے موٹر سائیکل دوڑاتا رہا۔ جیل بہت پیچھے رہ گئی تھی اس لیے سیٹیوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ ویگن مختلف سڑکوں پر چکراتی ہوئی اب اس علاقے کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں سے فیکٹری ایریا شروع ہوتا تھا۔ پندرہ منٹ بعد فیکٹری ایریا ختم ہو گیا۔ آگے کھنڈرات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ سڑک، فیکٹری ایریا ختم ہوتے ہی اندھیری ہو گئی۔ عمران نے دائیں بائیں دیکھا اور اس کے ہونٹ سختی سے بھنچ گئے۔

ہر طرف تاریکیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ہیبتناک خاموشی چار سُو مسلط تھی۔ صرف سیاہ ویگن کی ٹیل لائٹ دکھائی دے رہی تھی لیکن وہ بھی ایسے جیسے دُور اندھیرے میں دو انگارے دہک رہے ہوں۔

ہوا میں حد درجہ خُنکی تھی۔

کبھی کبھی عمران کے پورے جسم میں سردی کی لہر سرایت کر جاتی۔ وہ کانپ جاتا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی بے پناہ قوتِ ارادی، اسے سردی کے احساس سے بے نیاز کر دیتی تھی۔ ویران سڑک پر ان کا سفر زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔

لگ بھگ پانچ میل آگے جا کر ویگن رُک گئی اور پھر ٹیل لائٹس بھی بجھ گئیں۔

عمران نے ایک طویل سانس لے کر موٹر سائیکل کی رفتار اس حد تک سُست کر دی کہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال کے پیشِ نظر اسے بآسانی بغیر کسی آواز کے روکا جا سکتا تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر اس نے موٹر سائیکل روک دی۔ اسٹینڈ پر کھڑی کرنے کے بعد عمران موٹر سائیکل کو سڑک کے کنارے چھوڑتا ہُوا دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ اب اسے کچھ فاصلے پر، چند سائے لہراتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے ٹارچ روشن کر لی تھی لہٰذا عمران کے لیے تعاقب کرنا آسان ہو گیا۔ عمران سڑک سے دائیں طرف نشیب میں اُتر گیا۔ پُراسرار سائے اسی طرف حرکت کر رہے تھے۔

ٹارچ کی روشنی میں وہ خاموشی سے اندھیرے کھنڈرات میں چلتے ہوئے ایک جگہ رُک گئے۔ عمران پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا اور سانپ کی سی تیزی سے ان کی طرف رینگنے لگا۔ اس کی تیز نگاہیں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جس جگہ عمران رینگ رہا تھا، یہ شاید کبھی کوئی عمارت رہی ہوگی۔

عمران تیزی سے ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں پہنچ گیا۔ لمحہ بھر دم لینے کے بعد اس نے دیوار کی اوٹ سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔

پُراسرار سائے اس سے کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ اب انھوں نے ایک سے زائد ٹارچیں روشن کرلی تھیں۔ عمران نے غور سے دیکھا۔ وہ تعداد میں آٹھ تھے۔ ایک جگہ وہ سب ٹھٹک کر رہ گئے۔

ٹارچوں کی روشنی اِدھر اُدھر گردش کرنے لگی۔

عمران پھرتی سے دیوار کی آڑ میں ہوگیا ورنہ طاقتور ٹارچ کی روشنی اسے ضرور بے نقاب کردیتی۔

"یہی جگہ ہے . . ." عمران کے حساس کانوں میں کسی کی آواز پڑی۔

"چلو، جلدی کرو۔" ایک اور آواز نے کہا۔ اس شخص کے لہجے میں تحکم تھا۔

عمران ایک مرتبہ پھر دیوار کی اوٹ سے جھانکنے لگا۔ پُراسرار سایوں میں سے ایک آگے بڑھ کر تباہ شدہ عمارت کے ملبے میں اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا۔

ٹارچ کی روشنی میں، عمران نے دیکھا کہ وہ مفرور قیدی ہی تھا۔ عمران سانس روکے اس کی یہ پُراسرار کارروائی دیکھتا رہا۔ اچانک عمران کو قریب ہی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔

وہ چونک کر پلٹ پڑا۔

ایک اور سایہ تیزی سے رینگتا ہُوا اُسی جانب بڑھ رہا تھا جہاں عمران بیٹھا ہُوا تھا۔ عمران نے دم سادھ لیا۔ پُراسرار سایہ ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ اب عمران، اس کے سانس لینے کی آواز سن سکتا تھا۔

عمران خاموشی سے اپنی جگہ پر پڑا رہا۔

اچانک وہ پُراسرار سایہ کھڑا ہوگیا۔ عمران کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا اور اس نے مضبوطی سے ریوالور کا دستہ تھام لیا۔ طویل القامت سایہ دھیرے دھیرے چلتا ہُوا دیوار کی اوٹ میں آگیا۔ عمران دل ہی دل ہنسنے لگا۔

عجیب اتفاق تھا۔! اب اگر وہ شخص چند قدم اور آگے بڑھ آتا تو عمران سے ضرور ٹکرا جاتا۔ عمران نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ وہ کسی بھی ناگہانی آفت سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہوگیا تھا۔

طویل القامت آدمی دیوار کی اوٹ سے عمران کی مخالف سمت میں چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد عمران نے اس سائے کو لپک کر ایک ایسے ٹیلے کی اوٹ میں جاتے دیکھا جہاں سے ان سایوں کو بآسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ "کیا بات ہے، کیا تم جگہ بھول رہے ہو۔" ایک دبی دبی سی غراہٹ سُنائی دی۔

"حیرت ہے، میں نے اسے یہیں چھپایا تھا۔" دوسری آواز بلاشبہ مفرور قیدی ہی کی تھی۔

"تو پھر کہاں ہے؟ کہیں تم ہمیں بے وقوف تو نہیں بنارہے ہو؟"

"غلط مت سوچو۔ وہ کیپ میرے کسی کام کی نہیں۔ مجھے اچھا معاوضہ مل رہا ہے یہی بڑی

رات گئے ایک سپاہی نے دورانِ گشت ایک شخص کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل جھکا ٹریک پر کچھ تلاش کررہا تھا۔

"کیا کوئی چیز کھوگئی ہے؟" سپاہی نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، میپل اسٹریٹ پر میرے پانچ پنس گر گئے تھے۔"

"مگر یہ تو ہائی اسٹریٹ ہے۔" سپاہی حیران ہوکر بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "مگر شاید تمھیں معلوم نہیں کہ وہاں روشنی کتنی کم تھی۔"

بات ہے۔" قیدی کے لہجے میں بھی تلخی تھی۔
"ہوں... میں صرف تین منٹ تک انتظار کروں گا اور..."
"اور کیا۔" قیدی کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔
"اس کے بعد تمہیں گولی مار کر یہیں دفن کر دوں گا۔" بولنے والے کے لہجے میں حد درجہ سفاکی جھلک آئی تھی۔

عمران نے دیوار کی اوٹ سے دیکھا۔ قیدی نے تلاش کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور اب قہر آلود نگاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کی نال صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "تو دوستو۔ تم خود ہی اسے تلاش کر لو۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ ہے کہ اتنے اندھیرے میں جگہ بھول بھی سکتا ہوں۔ آخر تم لوگ کل دن نکلنے تک انتظار کیوں نہیں کر لیتے؟"
"ہوں۔ میرا خیال ٹھیک ہی نکلا۔ تم ہمیں چکمہ دے کر جیل سے فرار ہو گئے اور اب مزید بے وقوف بنا کر کہیں روپوش ہو جانا چاہتے ہو۔ کیوں؟"
"تم سب احمق ہو۔" ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ سب ٹھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے عمران بھی آواز کی جانب گھوم گیا۔ دراز قد سایہ دیوار پھلانگ کر سامنے پہنچ گیا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ ٹارچوں کی روشنی میں نہا گیا تھا۔ عمران نے غور سے دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ نوارد سر تا پا سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں وزنی ریوالور چمک رہا تھا۔ دراز قامت سائے پر نگاہ پڑتے ہی پہلے سایوں میں سے کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں "باس..."
"بکواس مت کرو۔ تم سب نکمے ہو۔ وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ اسے گولی مار کر خود تلاش شروع کر دو۔"
"لیکن یہ دھوکہ ہے مسٹر۔" مفرور قیدی غرایا۔
"اوہ۔ اب چور اچکے بھی اخلاقیات کا درس دینے لگے۔ سیدھی طرح بتاؤ وہ کیپ کہاں ہے۔"
"سچ کہتا ہوں کہ میں نے اسے یہیں چھپایا تھا۔ اس قدر طویل مدت میں یہاں کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں اس لیے مجھے وہ نشان تلاش کرنے میں ناکامی ہو رہی ہے جو میں نے اسے چھپاتے وقت بنایا تھا۔"
"تم لوگ اسے لے کر واپس جاؤ۔ خیال رہے یہ فرار نہ ہونے پائے۔"
"او کے۔ باس۔"
"اور ہاں شہر کی طرف واپس جانے کی بجائے سیدھے ہی چلے جاؤ۔ یہ سڑک کچھ آگے جا کر ساحلی سڑک سے مل جائے گی۔ اس سڑک سے تم لوگ بآسانی اپنی منزل تک پہنچ سکو گے۔"

دراز قامت سایہ وہیں کھڑا رہا۔ دوسرے سایوں نے مفرور قیدی کو جکڑ لیا اور دھکے دیتے ہوئے واپس مڑ گئے۔ عمران خاموشی سے بیٹھا انہیں واپس جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو عمران اس سیاہ پوش کی طرف دیکھنے لگا جو ٹارچ کی روشنی میں آس پاس جھک کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔

دس منٹ کی شدید دیکھ بھال کے بعد وہ اچانک ایک جگہ پھرتی سے بیٹھ گیا۔ عمران اوٹ سے نکل کر اس کی طرف رینگنے لگا۔ اس نے سیاہ پوش کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ سن لی تھی جو غالباً خوشی کا نعرہ تھا۔

سیاہ پوش نے مٹی کا ایک ڈھیر ہٹا کر ایک سیاہ سی گرد آلود چیز نکالی اور اسے ٹارچ کی روشنی میں دیکھنے لگا۔ عین اسی وقت عمران نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کا ہاتھ سیاہ پوش کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز پر پڑا۔ وہ کھردری سی شے غالباً اونی ٹوپی تھی۔

عمران نے اس پر قبضہ جماتے ہی پوری قوت سے ریوالور کا دستہ سیاہ پوش کے سر پر دے مارا۔ سیاہ پوش جو اس اچانک افتاد سے بوکھلا گیا تھا چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

کال بیل کی چنگھاڑ سُنائی دی۔ عمران نے کسمسا کر پہلو بدلا۔ دائیں ہاتھ سے کان جھاڑا اور پھر خراٹے لینے لگا... لیکن اگلے ہی لمحے اُسے اچھل کر بستر سے اترنا پڑا۔ کوئی شخص مسلسل کال بیل کا بٹن دبائے ہوئے تھا۔

"ابے سلیمان۔ دیکھنا کس کے پیٹ میں درد اُٹھا ہے، سویرے سویرے۔ لوگوں نے میونسپلٹی کا پاخانہ سمجھ رکھا ہے۔ جسے دیکھو صبح ہی صبح مُنہ... اُٹھائے بھاگا چلا آتا ہے۔" عمران نے بُلند آواز میں کہہ کر دروازے کی طرف گھونسہ لہرایا۔

سلیمان بھی آخر عمران کا ملازم تھا۔ ایسی آوازوں سے اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی تھی۔ مجبوراً عمران کو خود ہی دروازے کی طرف جانا پڑا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ کی ہول پر جُھکا، باہر جھانک کر دیکھا تو سیکرٹ سروس کے تقریباً سارے ہی ممبر کھڑے دکھائی دیے۔ عمران کراہ کر کھوپڑی کا عقبی حصہ سہلانے لگا۔

کال بیل اب بھی چیخ رہی تھی۔

عمران نے کی ہول سے دیکھ لیا تھا کہ کال بیل بجانے والی جولیا ہے۔

"کون ہے؟" عمران کے حلق سے تیز نسوانی آواز نکلی۔ ساتھ ہی کال بیل کی گھنٹی نے دم توڑ دیا۔

"دروازہ کھولو!" جولیا نے تگڑے ہاتھوں سے دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔

عمران نے ایک طویل سانس لے کر دروازہ کھول دیا اور کھوئی کھوئی نظروں سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا تم بہرے ہو گئے ہو؟"

"ہائیں۔ کس ہوٹل میں دیکھا تھا، تم نے؟" عمران نے چونک کر جولیا کی طرف دیکھا جو غراتی ہوئی اس پر جھپٹ پڑی تھی۔ اگر صفدر جلدی سے درمیان نہ آیا ہوتا تو جولیا نے اُسے نوچ ہی ڈالا تھا۔

سب دھڑ دھڑ پاؤں مارتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور سٹنگ رُوم میں بیٹھ گئے۔ عمران مُنہ بناتا ہوا اُن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"بیٹھیے نا عمران صاحب!" صفدر نے مُسکرا کر کہا۔

"تم خاموش رہو۔ میں سب سمجھتا ہوں تم لوگ جمہوریت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ کیسی جمہوریت، کیسا فائدہ؟"

"میں کہتا ہوں آخر تم ان عوامی نمائندوں کے بغیر کیوں نہیں آئیں۔ اتنا ہی گھر بسانے کا شوق ہے تو رُوٹھ کر جاتی کیوں ہو!" عمران، صفدر کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جولیا کو گھورنے لگا۔

جولیا نے کوئی جواب تو نہیں دیا البتہ اس نے پھرتی سے سینڈل اتار کر عمران کی طرف ضرور پھینکا تھا۔

عمران نے سینڈل دبوچ لیا اور پھر تنویر کی طرف پلٹا "لو بڑے بھائی، یہ آپ کے لیے ارسال کیا گیا ہے۔"

"مجھ سے بکواس کی تو کھوپڑی توڑ دوں گا!" تنویر غرّا کر کھڑا ہو گیا۔

"اگر چائے پلواؤں، پھر تو نہیں مارو گے؟" عمران نے مسمسی سی صورت بنا کر کہا۔

ضبط کرنے کے باوجود تنویر کی ہنسی نکل گئی... عمران مُنہ چلاتا ہوا ایک طرف بیٹھ گیا۔

"اب تم شروع ہو جاؤ!" جولیا غرّاتی ہوئی عمران پر جھپٹی۔

"اچھا!" عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اسٹارٹ لیا! "ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کہیں ایک خوبصورت شہزادہ رہتا تھا۔ لوگ اسے عقلمند سمجھ کر خوب بے وقوف بناتے تھے!"

"یہ کیا بکواس شروع کر دی، تم نے!" جولیا بھنا گئی۔

"پھر تم کیا چاہتی ہو!" عمران نے حیرت سے دیدے نچاتے ہوئے کہا۔

"اس چکر کے بارے میں بتاؤ، جو ان دنوں شروع ہو چکا ہے اور اس کی بھنک تک ہمارے کانوں میں نہیں پڑنے دی!"

"اوہ اچھا!" عمران یہ کہہ کر اُٹھا اور اس نے پھرتی سے ریسیور اُٹھایا، پھر اتنی تیزی سے دانش منزل کے نمبر ڈائل کیے کہ سیکرٹ سروس کے ممبر دیکھتے ہی رہ گئے۔

جلد ہی دوسری طرف سے سلسلہ مل گیا۔

"میں، عمران بول رہا ہوں، جناب" عمران نے دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سنتے ہی کہا۔ "اس وقت آپ کے تمام ماتحت یہاں میرے پاس موجود ہیں۔"

"یس سر، میں سن رہا ہوں۔" بلیک زیرو کی متحیر آواز سنائی دی۔

"سب لوگ حالیہ کیس کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں، جولیا کو ریسیور دے رہا ہوں۔" عمران نے یہ کہہ کر ریسیور جولیا کی طرف بڑھا دیا۔

جولیا کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ عمران کی گفتگو سے وہ سمجھ گئی تھی کہ عمران، ایکسٹو سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور لیا اور بھرائی آواز میں بولی۔ "مم، میں جولیا بول رہی ہوں جناب۔"

"کیا بات ہے۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" ایکسٹو کی خشک آواز سنائی دی۔

"وہ... وہ... جناب۔" جولیا ہکلائی۔

"تم لوگ انتہائی احمق اور گدھے ہو۔" ایکسٹو کے لہجے میں بے پناہ سرد مہری تھی۔ جولیا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی سنسناتی محسوس ہوئی۔ "اس سے پہلے کہ میں تم سب کے لیے کوئی سزا تجویز کروں، فوراً اپنے اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ آئندہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی عمران کے قریب دکھائی دیا تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

"یس سر... یس سر۔" جولیا روہانسی ہو گئی... دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا پھر عمران کی طرف پلٹی اور قہر آلود نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"پھ پھ... پھر کروں فون۔" عمران بوکھلا کر فون کی طرف جھپٹ پڑا۔

جولیا کا ہاتھ چل گیا۔ گھونسہ عمران کی کھوپڑی پر پڑا۔ وہ کراہ کر بیٹھ گیا اور لگا سلیمان کو آوازیں دینے۔ فوراً ہی سلیمان دندناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ عمران نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی پتلیاں حیرت انگیز انداز میں چمکنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ سلیمان اس کے ارادے سے آگاہ ہوتا۔ عمران چیتے کی سی پھرتی سے زقند لگا کر اس پر جا پڑا۔

"آہ۔" سلیمان کے حلق سے کراہ نکلی۔

عمران نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر گھونسہ مارا۔ گھونسہ اس قدر طاقت ور تھا کہ سلیمان کئی قدم لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ سیکرٹ سروس کے تمام ممبر "ارے ارے" کرتے عمران کی طرف لپکے لیکن عمران پر تو جیسے دیوانگی سوار ہو گئی تھی۔ اس نے گھونسے مار مار کر سلیمان کا بھرکس نکال دیا۔ بمشکل صفدر اور تنویر نے اسے الگ کیا۔

سلیمان فرش پر لیٹا، لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

جولیا حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عمران کو گھور رہی تھی۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ عمران اپنے منہ چڑھے ملازم سلیمان کو اتنی بیدردی سے پیٹ بھی سکتا ہے۔

"بتاؤ۔" عمران نے آگے بڑھ کر سلیمان کو ایک ٹھوکر ماری۔ "سلیمان کہاں ہے؟"

سلیمان کراہ کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ ٹھوکر اس کی پسلی پر پڑی تھی۔ صفدر نے آگے بڑھ کر عمران کو جکڑ لیا لیکن فوراً ہی اسے چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ عمران کی آنکھوں میں بے پناہ درندگی جھلک آئی تھی۔ "یہ سلیمان ہی تو ہے، عمران صاحب۔" صفدر بڑبڑایا۔

عمران نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

کچھ دیر بعد اس نے سلیمان کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور ابھی گھونسہ مارنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ سلیمان چیخ پڑا۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے، صاحب۔"

"سنو..." عمران نے اس کے کالر کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا اور اسے کالر سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے لے گیا اور پھر سلیمان کی گدی سے، چٹکی میں کھال پکڑ کر زور سے کھینچی تو ایک باریک سی جھلی چہرے سے اتر کر ہاتھ میں آ گئی۔ "اب بولو۔ کیا تم واقعی سلیمان ہو؟"

"مم... میں... میں... بے قصور ہوں جناب۔" وہ شخص جھلی اترتے ہی گڑگڑانے لگا۔ "مجھے اس کام کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔"

"تمہارا نام؟" عمران غرایا۔

"جمی!" وہ کراہ کر بولا۔

"سلیمان کہاں ہے؟"
"کچن میں... لل... لیکن اسے میں نے بیہوش نہیں کیا تھا!"
"ہوں۔ صفدر! اسے سنبھالنا!" عمران نے جمی کو صفدر کی طرف دھکیل دیا۔
صفدر جو اب تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمی کو دیکھ رہا تھا، جھپٹ کر آگے بڑھا اور اس کے بازو پکڑ کر پشت کی طرف موڑ دیے۔ تنویر نے تلاشی لے کر جمی کے لباس سے ایک ریوالور برآمد کر لیا۔
عمران کچن کی طرف بڑھ گیا۔ سلیمان وہاں نہیں تھا۔ عمران نے کچن کا جائزہ لیا اور پھر اس کی نگاہیں اُس بڑے سے بکس کی طرف اُٹھ گئیں جس میں کوئی چیز بُری طرح پھڑک رہی تھی۔ عمران لپک کر بکس کے قریب پہنچا... پھر لکڑی کے بکس کا ڈھکنا اُٹھاتے ہی عمران کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"وسلام علیکم سلیمان بھائی۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"غوں... غوں... جغلد غی..." سلیمان کے مُنہ سے عجیب اور ناقابلِ الفاظ نکلنے لگے۔
عمران کو رحم آ گیا۔ اس نے سلیمان کے حلق سے کپڑا نکالا پھر اُسے اُٹھا کر فرش پر ڈال دیا۔ سلیمان کو رسیوں سے آزاد کر کے ابھی وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ بُری طرح چونک پڑا۔ دفعتاً ایک فائر کی آواز سنائی دی اور پھر کسی کی بھیانک چیخ گونج اُٹھی۔ عمران تیزی سے کمرۂ نشست میں پہنچا تو جمی خون میں نہایا ہُوا تڑپ رہا تھا۔ اس کی نگاہ کھڑکی کی طرف اُٹھ گئی۔ یقیناً فائر اُدھر سے ہی ہُوا تھا۔ وہ بُری طرح چونک پڑا۔ کھڑکی کے سامنے والے درخت سے، اس نے ایک انسانی ہیولے کو چھلانگ لگاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ پھرتی سے جُھک گیا اور چیخ پڑا۔
"نیچے ہو جاؤ!"
یکایک فائر کی آواز سُنائی دی۔ گولی سنسناتی ہُوئی کھڑکی کے راستے اندر آئی۔ عمران اگر پھرتی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو گولی یقیناً اس کی کھوپڑی کے چیتھڑے اُڑا دیتی۔ وہ دل ہی دل میں فائر کرنے والے کے نشانے کا قائل ہو گیا۔
"صفدر... تنویر! جلدی سے نیچے جاؤ!" عمران نے چیخ کر کہا۔
اُنھوں نے جھکے جھکے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ عمران ان کے دوڑتے ہُوئے قدموں کی آواز سُن کر تیزی سے جمی کی طرف بڑھا جو اس وقت بھی فرش پر لوٹ رہا تھا۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی اس لیے وہ ابھی تک جانکنی کے عالم میں تڑپ رہا تھا۔
"جمی... جمی! بتاؤ وہ کون تھا؟ تمھیں کس نے یہاں بھیجا تھا؟" عمران نے اسے بُری طرح جھنجوڑ ڈالا۔
"وہ... وہ اندھیرے کا تیر... ہے... میں... میں اُسے نہیں جانتا!" جمی نے تکلیف میں ڈوبی ہُوئی آواز میں کہا اور دَم توڑ دیا۔
عمران ایک طویل سانس لے کر اُٹھ گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ہارڈی گزشتہ رات اس کے پیچھے تنہا ہی آیا تھا۔ پھر ان لوگوں کو یہ ٹھکانا کیسے معلوم ہو گیا؟
عمران نے کسی خیال کے تحت چونک کر جمی کی کلائی سے بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے جمی کی گھڑی اتار لی۔ گھڑی کی چابی باہر کھینچی تو اس کا کیس کھل گیا... اور وہ ننھا سا ٹرانسمیٹر عمران کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا جو کیس کے اندر موجود تھا۔ چند لمحے وہ گھڑی کو گھورتا رہا پھر فون کی طرف جھپٹ پڑا۔
اس نے جلدی جلدی بلیک زیرو کا نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔
"ایکسٹو..." دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔
عمران نے اسے جلدی جلدی حالات سے آگاہ کرنے کے بعد کہا "میرا خیال ہے، ہارڈی کے پاس بھی اسی قسم کا ٹرانسمیٹر موجود ہے۔"
"ابھی دیکھتا ہوں، جناب!" بلیک زیرو نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔
عمران ایک طویل سانس لے کر جولیا کی طرف دیکھنے لگا، جو اب بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے جمی کی لاش کو گھور رہی تھی۔ عمران کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اب یہ تمہارے تیرِ نظر سے بہت دُور جا چکا ہے ڈیئر۔ آنکھیں بند کر لو۔"

"آں..." جولیا چونک کر عمران کی طرف دیکھنے لگی۔

صفدر اور تنویر دروازے سے اندر داخل ہوئے۔

"وہ تو کوئی چھلاوہ ہی تھا، عمران صاحب۔ غائب ہو گیا" صفدر نے کہا۔

"ہوں..." عمران پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔

"اس قدر حیرت انگیز انسان، میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا" جولیا جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی..." اُف درخت سے کُودا اور کھڑکی کے سامنے پہنچتے ہی فائر کر دیا۔ حیرت انگیز... ناممکن"

"بس بس۔ اب تم لوگ جاؤ۔ پولیس آنے ہی والی ہوگی" عمران ہاتھ اُٹھا کر دہاڑا۔

کسی نے تعرض نہیں کیا۔ سب خاموشی سے چلے گئے۔ ابھی ان لوگوں کو گئے دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ راہداری میں وزنی بوٹوں کی دھڑ دھڑ سنائی دینے لگی۔ اگلے ہی لمحے عمران کے فلیٹ کی کال بیل پوری قوت سے چیخنے لگی۔ اس نے احمقانہ انداز میں دیدوں کو گردش دی اور ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہ باوردی انسپکٹر پر پڑی۔ انسپکٹر اور عمران کی نگاہیں ملیں اور عمران بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگا۔ انسپکٹر اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا۔ اندر داخل ہوا۔ نشست رُوم میں لاش دیکھ کر وہ تیزی سے اس طرف بڑھا... پھر چند لمحوں کے بعد عمران اور انسپکٹر میں نوک جھونک شروع ہو گئی۔

ہارڈی کو صفدر نے رات کو دانش منزل پہنچا دیا تھا۔ صفدر کے جاتے ہی بلیک زیرو نے اسے ساؤنڈ پروف کمرے میں منتقل کر کے، فوراً ہی ہارڈی کی تلاشی بھی لے ڈالی لیکن کوئی خاص چیز برآمد نہ ہوئی۔

دس بجے کے قریب عمران نے فون پر کسی ٹرانسمیٹر کے امکان کا تذکرہ کیا تو وہ آٹو میٹک دروازہ کھول کر ساؤنڈ پروف کمرے میں داخل ہوا۔

ہارڈی ہوش میں تھا اور اس وقت سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگا رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سُن کر وہ پھرتی سے اُدھر متوجہ ہوا۔ اس کی گول گول اور چمکدار آنکھیں بلیک زیرو پر جم گئیں۔

"مجھے افسوس ہے، دوست۔ تمہارا مددگار موت کے مُنہ میں پہنچ گیا جو تمہیں رہا کرانے آیا تھا" بلیک زیرو مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

ہارڈی جو ہوش میں آنے کے بعد کئی مرتبہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر کے نڈھال ہو چکا تھا، بلیک زیرو کو تنہا اور نہتا دیکھ کر خوشی سے کھل اُٹھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے بلیک زیرو پر چھلانگ لگا دی۔ بلیک زیرو نے تڑپ کر اُسے دونوں ہاتھوں پر سنبھالا... اور ہارڈی کا بھاری بھرکم جسم اس کے ہاتھوں پر اُٹھتا چلا گیا۔

بلیک زیرو نے اسے دو تین مرتبہ گھمایا پھر پوری قوت سے فرش پر دے مارا۔ ہارڈی کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی۔ اس کا سر بُری طرح فرش سے ٹکرایا تھا۔ بلیک زیرو نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے ایک ٹھوکر اس کی ٹانگوں کے درمیان جمائی۔ ہارڈی کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور کی طرح چیخا اور تڑپنے لگا۔ اس کی تکلیف سے بے نیاز، بلیک زیرو نے دوسری ٹھوکر اس کے جبڑے پر ماری۔

ہارڈی نے بلبلا کر جبڑا تھام لیا۔

"بس! دل میں کوئی اور بھی ارمان ہے تو نکال لو" بلیک زیرو نے طنزیہ لہجے میں کہا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اُسے گھورنے لگا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"سب سے پہلے وہ ٹرانسمیٹر میرے حوالے کر دو جس پر تم نے اپنے باس کو اطلاع دی تھی"

ہارڈی نے خاموشی سے گھڑی کا جائزہ لیا اور مُسکرایا۔

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ اب تک اسی عمارت میں ہو جس کی نگرانی کر رہے تھے" بلیک زیرو نے کہا۔

"پھر..." ہارڈی چونک پڑا۔

"تم اب اس عمارت سے بہت دُور، ایک ایسے کمرے میں ہو جو تم جیسوں کے لیے بارہا مدفن ثابت ہو چکا ہے"

"تم کیا چاہتے ہو؟" ہارڈی بھرائی ہوئی آواز

میں بولا۔

"اپنے چند سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب۔"

"میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے تم کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکو۔"

اچانک ہی بلیک زیرو کے چہرے سے مسکراہٹ ڈھل گئی۔ آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمکنے لگیں۔ جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔ ہونٹوں پر تنفر آمیز کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ "اٹھو۔" اس نے بڑی بے دردی سے اس کی پسلی میں ٹھوکر ماری۔

ہارڈی کسی بے بس غلام کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔

اگرچہ وہ ڈیل ڈول اور چہرے کی ساخت سے انتہائی درندہ صفت معلوم ہوتا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس وقت اس کی حالت کسی بے ضرر کیچوے جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

"ادھر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" بلیک زیرو نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

ہارڈی نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی جیسے ہی وہ دیوار کے ساتھ پشت لگا کر کھڑا ہوا کھٹکے سے دو آہنی کڑوں نے اسے جکڑ لیا۔ ہارڈی نے بوکھلا کر ان حلقوں کو دیکھا جو سر سے پاؤں تک اس کے گرد لپٹ گئے تھے۔

بلیک زیرو نے ایک بند الماری سے کوڑا نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

"یہ... یہ... ظلم ہے۔" ہارڈی اس کا ارادہ بھانپ کر چیخ پڑا۔

"پروا مت کرو، یہ کمرہ ایسے ہی ڈراموں کے لیے مخصوص ہے۔ کیا تم میرے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہو؟" یہ کہتے ہی بلیک زیرو نے کوڑا لہرایا۔

ہارڈی حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔

"شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں۔" بلیک زیرو گرجا۔ پھر بولا۔ "یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔ یہاں تم صرف سچی باتیں اگل کر ہی محفوظ رہ سکتے ہو۔"

ہارڈی کی آنکھیں دہشت کی زیادتی سے پھٹی جا رہی تھیں۔ اسے بلیک زیرو، فرشتۂ اجل دکھائی دے رہا تھا جس کے چہرے پر درندگی اور بے رحمی کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

"مم... میں بتانے کے لیے تیار ہوں لیکن..."

"لیکن کیا؟"

"وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"زندہ تو تمھیں میں بھی نہیں چھوڑوں گا، فرزند۔ اس لیے پہلے تم میرے بارے میں فکر کرو۔" بلیک زیرو نے کوڑا لہرایا۔

بھیانک کی آواز کے ساتھ کوڑا، ہارڈی کی ٹانگوں پر پڑا اور سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا لپٹ گیا۔

"رک جاؤ... رک جاؤ۔ میں بتاتا ہوں۔" ہارڈی نے چلا کر کہا۔

بلیک زیرو اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

"بتاؤ، وہ کون ہے؟"

"وہ بہت پراسرار ہے۔ کبھی سامنے نہیں آتا... لیکن وہی سب کچھ نہیں ہے۔ وہ بھی کسی کے سامنے جواب دہ ہے۔" ہارڈی کراہ کر بولا۔

"تمھیں کس سے ہدایات ملتی ہیں؟"

"جیگر سے... وہی، باس سے زیادہ قریب ہے۔ گروہ کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ باس سے ملتا بھی رہتا ہے۔"

"ہوں، اب کچھ اپنے گروہ کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی بتاتے چلو۔"

"یہ گروہ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے کئی شعبے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک شعبہ لہو کی اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔ چونکہ ایک شعبے کے لوگ دوسرے سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اس لیے مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔"

"تم صرف اپنے شعبے کے بارے میں بتاؤ۔"

"ہمارے ذمے بلیک میلنگ کا مواد فراہم کرنا، قتل اور غارت گری یا تنظیم کے مفاد کے لیے ڈاکہ زنی کی وارداتیں کرنا ہے۔"

"جیگر کے منہ سے تم نے کبھی مقامی باس کا نام تو سنا ہی ہوگا؟"

"ہاں، ایک مرتبہ... غالباً ڈی مورلے۔"

"ڈی مورلے... ڈی کارڈو۔" بلیک زیرو بڑبڑایا۔

"لیکن وہ تو میری نگاہوں کے سامنے ختم ہو گیا تھا۔"

"ہر شعبے کا انچارج اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔"

یہ کسی مخصوص آدمی کا نام نہیں ہے۔" ہارڈی نے وضاحت کی۔

"اب اس پُراسرار کیپ کے بارے میں بھی بتا دو۔"

"ان دنوں ہمارے ذمے اسی کیپ کو تلاش کرنا ہے۔ جیگر کے بیان کے مطابق یہ کیپ، لاکھوں کی مالیت ہے۔ اس کی بناوٹ دیکھ کر پہلی نگاہ میں اسے شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہی خیال کیا جائے گا۔ میں نے صرف اس کی تصویر دیکھی تھی۔ جیگر نے ٹرپ کے لیے بی ہائیو کیپ کا نام استعمال کیا تھا۔"

"بی ہائیو کیپ..." بلیک زیرو بڑبڑایا "ٹھیک ہے، جیگر کا پتہ بتاؤ۔"

ہارڈی نے قدرے تذبذب سے جیگر کا پتہ بھی بتا دیا جسے بلیک زیرو نے اپنی پاکٹ ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

"بہت خوب۔ اگر یہ ایڈریس کارآمد ثابت ہوا تو میں تمہارے ساتھ رعایت کے بارے میں سوچوں گا۔ اب تم ایک شخص کو دیکھ کر بتاؤ گے کہ وہ تمہارے گروہ میں کس حیثیت کا مالک ہے؟" بلیک زیرو نے دائیں دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک بٹن کو دبا دیا۔

دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا۔ دروازے کی دوسری طرف ایک کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہارڈی کی نگاہ جیسے ہی دروازے سے گزر کر اس شخص پر پڑی جو ڈمی کی طرح آہنی حلقوں میں جکڑا ہوا تھا، تو وہ بول پڑا۔ یہ فوگی ہے... لیکن یہ تو مر چکا ہے۔"

"مر چکا ہے۔" بلیک زیرو چونک کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے محسوس کیا کہ واقعی وہ شخص مر چکا ہے۔ اس کا چہرہ نیلا ہو رہا تھا۔ بلیک زیرو نے حیرت سے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ ذرا سی حرکت کرنا بھی مشکل تھی۔ پھر اس نے زہر کیسے کھا لیا؟ اس نے پلٹ کر ہارڈی کی طرف دیکھا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے ادھر ہی گھور رہا تھا۔ بلیک زیرو اس کے پاس آ گیا۔

"شاید تم حیران ہو کہ اس نے زہر کس طرح کھا لیا؟" ہارڈی بولا۔

"آں، ہاں۔ کیا تم جانتے ہو؟"

"ہمارے گروہ کے ہر آدمی کو کسی بھی مشن پر روانہ ہونے سے قبل ایک ایسا بٹن دیا ہے جسے داڑھ کے اندرونی خلا میں باآسانی چپکایا جا سکتا ہے۔ ایسا ہی ایک بٹن میرے منہ میں بھی موجود ہے۔" ہارڈی نے یہ کہہ کر زبان منہ میں پھرا کر کسی چیز کو منہ میں گھمایا... پھر تھوک دیا۔ بلیک زیرو فرش پر جھک کر اس بٹن کو دیکھنے لگا اس کی ساخت عام بٹن جیسی ہی تھی اور وہ بنا ہوا بھی پلاسٹک کا دکھائی دیتا تھا۔

"باس نے اس بات کی سختی سے ہدایت کر رکھی ہے کہ جب بھی گروہ کا کوئی آدمی کسی جگہ پھنس جائے، وہ اس بٹن کو چبا ڈالے۔ اگرچہ سب یہی جانتے ہیں کہ بٹن کو چبانے سے کسی انسٹرومنٹ پر ان کی پوزیشن ظاہر ہو جاتی ہے لیکن میں اس کی ہلاکت خیزی سے باخبر تھا۔ ایک دن میرے ایک ساتھی نے غلطی سے بٹن کو چبا ڈالا تھا۔ چند ہی لمحے بعد اس کی لاش نیلی ہو گئی۔ اس انکشاف کے بعد میں نے اس ساتھی کے بارے میں لاعلمی ظاہر کر کے پیچھا چھڑایا تھا۔ باس ایسے آدمیوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑتا جو اس بٹن کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔"

"ہوں..." بلیک زیرو پُرخیال انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بٹن اب بھی اس کی ہتھیلی پر رکھا ہوا تھا۔ وہ بٹن کو گھورتا ہوا ساؤنڈ پروف کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے عمران کا نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ گزشتہ رات عمران نہ جانے اس شخص کو کہاں سے پکڑ کر دانش منزل پہنچا گیا تھا۔

دوسری طرف سے جلد ہی سلسلہ مل گیا۔

بلیک زیرو تمہید باندھے بغیر عمران کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کرنے لگا۔

عمران نے ریسیور رکھ دیا اور غور و فکر کی سلوٹوں سے اس کی پیشانی بھر گئی۔ بلیک زیرو نے جس شخص کا پتہ بتایا تھا، وہ بلاشبہ جیگر ہی تھا جسے عمران سی بریز بار میں دیکھ چکا تھا۔ وہی پستہ قد جس کی ایک جھلک عمران نے سرائے گراتو میں اس وقت بھی دیکھی تھی جب

وہ اندھے نوجوان کی جیب میں سانپ ڈال رہا تھا۔۔
اچانک فون کی گھنٹی سنائی دی۔ عمران اس وقت اپنے کمرۂ نشست میں بیٹھا ہُوا تھا اور یہ گھنٹی اس کے عام ٹیلیفون کی تھی۔ عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھایا اور بولا۔

"علی عمران مع اپنی ڈگریوں کے ۔۔"

"اپنی ڈگریوں کو وہیں چھوڑ کر سیدھے کوٹھی پہنچو۔ میں تمھارا انتظار کر رہا ہُوں" سر سلطان کی بارعب آواز سنائی دی۔

"لل ۔۔۔ لیکن جناب ۔۔" عمران گڑبڑا کر بولا۔

"کچھ کہنا چاہتے ہو کیا"

"جج ۔۔۔ جی۔ یہی کہ ڈگریوں کے بغیر میں خود کو بیوہ تصور کرنے لگتا ہُوں۔ لہٰذا اگر آپ اجازت دیں تو ڈگریاں بھی ۔۔۔ میرا مطلب ہے۔ ہپ ۔۔" عمران نے جلدی سے منہ بند کر لیا کیونکہ دوسری طرف سے لائن ڈیڈ ہو چکی تھی۔

عمران جلدی سے تیار ہو کر نیچے اُتر آیا۔

اپنی ٹو سیٹر سے وہ پندرہ منٹ کے قلیل وقفے میں، سر سلطان کی کوٹھی پہنچ گیا۔ وہ سر سلطان کے ڈرائنگ رُوم میں داخل ہُوا تو انھیں بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ ایک گول مٹول سا چینی صوفے پر بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کے چہرے سے بھی پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

"سلام علیکم ۔۔" عمران نے اندر پہنچتے ہی ہانک لگائی۔

"اوہ، آؤ عمران۔ ان سے ملو، یہ ہیں، مسٹر چیانگ۔ آج ہی یہاں پہنچے ہیں"

عمران بوکھلا کر آگے بڑھا اور چیانگ سے مصافحہ کرنے کے بعد معانقہ کرنے لگا۔ چیانگ نے حیرت سے عمران کا جائزہ لیا اور سر سلطان کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا جیسے ان سے اس مذاق پر احتجاج کر رہا ہو۔

مسٹر چیانگ۔ یہ عمران ہے۔ میرے ملک کا مایہ ناز سپوت ۔۔"

"اوہ ۔۔" اس مرتبہ چیانگ نے حیرت سے عمران کا بغور جائزہ لیا۔ شاید سر سلطان، عمران کے بعض کارنامے اس کے گوش گزار کر چکے تھے" پلیز ٹو سی یُو ۔۔"

"کوئی بات نہیں" عمران نے منہ چلاتے ہُوئے کہا اور دھپ سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

سر سلطان ٹہلتے ہُوئے اس کے سامنے آکھڑے ہُوئے۔ ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ چند لمحے عمران کو گھورنے کے بعد بولے" عمران سنجیدگی سے سُنو۔ اس وقت، مسٹر چیانگ کی حکومت ایک اُلجھن کا شکار ہے انھیں اسی مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے" یہ کہہ کر سر سلطان نے چیانگ کی طرف اشارہ کیا" میں چاہتا ہُوں کہ ان کی مدد کر کے ہمیشہ کی طرح ملک و قوم کا نام روشن کرو"

"میں سُن رہا ہُوں، جناب۔ براہِ کرم جلدی سے بتائیے کہ کیا معاملہ ہے۔ میں آج کل چند خطرناک معاملات میں اُلجھا ہُوا ہُوں"

"اب آپ اس سے بات کر سکتے ہیں، مسٹر چیانگ" سر سلطان نے عمران کو سنجیدہ دیکھ کر مسکراتے ہُوئے کہا۔

چیانگ نے اپنے قدموں میں رکھا ہُوا بریف کیس اُٹھا کر گھٹنوں پر رکھ لیا اور اسے کھول کر ایک فائل نکالی کچھ دیر ورق گردانی کرنے کے بعد اس نے ایک تصویر عمران کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے تصویر لی اور بمشکل خود پر قابو پاتے ہُوئے سرسری نگاہوں سے اُسے گھورنے لگا۔

اس کے ذہن میں طوفان برپا ہو گیا۔ تصویر میں ویسی ہی کیپ دکھائی دے رہی تھی جو عمران نے اس رات کھنڈرات میں، سیاہ پوش سے حاصل کی تھی سرسری نگاہ میں وہ کیپ، شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہی دکھائی دیتی تھی۔ البتہ بناوٹ کے لحاظ سے اُسے ٹوپی کہا جا سکتا تھا۔

"کچھ عرصہ پہلے بیجنگ کی سیکرٹ سروس کا ایک ہونہار ممبر تنگ ہی پُراسرار انداز میں مُردہ پایا گیا۔ یہ کیپ جس کا سرکاری نام بی ہائیو کیپ ہے، اسی کی تحویل میں تھی۔ جس وقت اس کی لاش کا علم ہُوا قاتل، کیپ لے کر فرار ہو چکے تھے" چیانگ نے کہا۔

عمران غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ان دنوں بیجنگ میں ایک پُراسرار تنظیم کام کر رہی تھی جس کا قلع قمع کرنے کے دوران کئی اہم انکشاف ہُوئے۔ ایک خیال کے مطابق یہ کیپ اسی تنظیم نے

اُڑائی تھی، لیکن حالیہ اطلاع کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیپ، تنظیم کے ہاتھوں سے نکل کر چند دوسرے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔"

"اس اطلاع کا ذریعہ کیا تھا، مسٹر چیونگم... سوری، مسٹر چیانگ۔" عمران نے بوکھلا کر تصحیح کی اور جیبیں ٹٹول کر چیونگم کا پیکٹ نکال لیا۔

چیانگ جو اس وقت عمران کی شرارت پسند طبیعت سے واقف ہو چکا تھا، مسکرا دیا اور بولا۔ "ایک بلیک میلر ڈان کنگورے نے حکومت سے دو لاکھ ڈالر کے عوض کیپ واپس کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن جس وقت ہم ڈان کنگورے کے پاس پہنچے کیپ اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔"

"اوہ..." عمران پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "ڈان تب کہاں تھا؟"

"نیوزی لینڈ میں..."

عمران نے پہلو بدلا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بار بار اس کا ذہن سینڈل پرانٹو کی طرف جا رہا تھا جو ان دنوں دارالحکومت میں موجود تھا۔ "ہوں۔ اب بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اس وقت بی بائیو کیپ آپ کے ملک میں موجود ہے۔" چیانگ نے سنجیدگی سے کہا۔

اس یقین کی کوئی وجہ بھی رہی ہوگی؟"

"جی ہاں۔ دراصل نیوزی لینڈ سے ہمارا ایک ایجنٹ، اسکاٹ، مجرم کا پیچھا کرتا ہوا یہاں پہنچا تھا۔ کچھ عرصہ اس سے اطلاعات ملتی رہیں جو خاصی حوصلہ افزا تھیں لیکن چند دنوں سے اس کی طرف سے بھی خاموشی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اسکاٹ کو بھی ختم کر دیا گیا ہے یا پھر ممکن ہے، وہ ان لوگوں کی قید میں ہو۔"

"ہوں۔" عمران نے ہنکارا بھرا۔ "تصویر اب تک اس کے پاس ہی تھی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کیپ میں ایسی کون سی خاص بات ہے جس نے آپ کی حکومت کو فکر مند کر رکھا ہے؟"

"سوری مسٹر عمران مجھے اُمید ہے کہ آپ اس سلسلے میں اصرار نہیں کریں گے۔"

"ہوں..." عمران نے چیانگ کو گھورا۔ "اور نہ ہی میں اس تصویر کو اپنے پاس رکھ سکوں گا۔ کیوں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"بہت خوب۔" عمران نے تصویر اس کی طرف اچھال دی اور پھر جیب سے اندھے نشانچی اسکاٹ کی ڈائری نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے ڈائری میں رکھی ہوئی ایک تصویر نکالی اور چیانگ کی طرف بڑھا دی۔ "دیکھئے میں اس تصویر میں کیسا دکھائی دیتا ہوں؟"

چیانگ نے مُسکرا کر تصویر لے لی، لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ تصویر پر پڑی، وہ بُری طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ عمران تیر کی طرح اس صوفے کے قریب جا پہنچا، جہاں چیانگ بیٹھا ہوا تھا۔ چیانگ بدک کر الگ جا کھڑا ہوا۔ عمران جھک کر اس صوفے کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ مایوسی سے سر ہلاتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "اس میں کھٹمل تو ایک بھی دکھائی نہیں دیتا۔"

چیانگ حیرت سے دیدے پھاڑے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ... یہ تصویر آپ کو کہاں سے ملی ہے؟"

"کیا۔" عمران نے حیرت سے کہا اور چیانگ کے ہاتھ سے دونوں تصویریں لے لیں۔ "یہ تو ایک جیسی ہی دکھائی دیتی ہیں۔"

"پلیز مسٹر عمران! آپ نے مجھے شدید اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"خدا کے لیے مسٹر چیانگ۔ ایسے جملے کم از کم میرے سامنے تو مت بولیے۔"

"کیا مطلب؟"

اس قسم کے جملے ہمارے ہاں آزاد خیال لڑکیاں اپنے چاہنے والوں سے بولتی ہیں۔"

چیانگ کھسیا کر ہنسنے لگا۔

"سنیے، مسٹر چیانگ۔ اگر آپ اس کیپ کی خصوصیات نہیں بتا سکتے تو ان دونوں تصویروں کو نے کر یہاں سے جا سکتے ہیں۔ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"پلیز، مسٹر عمران۔" چیانگ کے لہجے میں استدعا تھی۔ "میں ایسے کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالتا جن کا سر پیر

مجھ سے چھپایا جائے یا مجھ پر بداعتمادی کا اظہار کیا جائے۔"
عمران کا حد درجہ خشک لہجہ تھا۔

چیانگ کے چہرے پر تذبذب کے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے سر سلطان کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے دوسری طرف دیکھنے لگے جیسے ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ رہا ہو۔ سر سلطان کو اپنی حمایت پر آمادہ نہ پا کر چیانگ نے ایک مرتبہ پھر عمران کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر بے حسی دیکھ کر اسے مایوسی ہی ہوئی۔

"خیر... میں عرض کرتا ہوں۔" کچھ دیر بعد چیانگ کی بلی جیسی تیز اور مہین آواز سنائی دی "... دراصل بی ہائیڈوکیپ ایک انتہائی جدید ترین ٹرانسمیٹر ہے۔"

"اوہ۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید یہ سلیمانی ٹوپی ہے۔" عمران مضحکہ اڑانے والے لہجے میں بولا۔

چیانگ نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ وہ خیالوں میں ڈوبا ہوا مسلسل بول رہا تھا۔

"اس حیرت انگیز ایجاد کا سہرا ہمارے نیوی کے ایک غوطہ خور کے سر ہے۔ دراصل سال بھر پہلے غوطہ خوروں کی ایک ٹیم کے دو غوطہ خور نامعلوم وجوہ کے تحت اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر بہت نیچے چلے گئے۔"

عمران کے چہرے پر دلچسپی کے آثار پیدا ہو گئے۔ سر سلطان بھی توجہ سے سننے لگے۔ چیانگ کہہ رہا تھا۔

"سمندر کی تہہ میں اچانک ایک غوطہ خور کو اپنے کھوئے ہوئے ساتھی کی چیخیں سنائی دیں۔ اس نے حیرت سے گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن دور و نزدیک اس ساتھی کا ہلکا سا سایہ بھی دکھائی نہ دیا۔ انتہائی غور و فکر کے بعد اسے یہ اندازہ ہوا کہ چیخوں کی آواز تہہ میں اگی ہوئی کائی کے درمیان پھنسے ہوئے ایک عجیب ساخت کے اسفنج سے آ رہی ہے۔ غوطہ خور کچھ آگے بڑھا تو ایک ویسا ہی اسفنج اور دکھائی دیا۔ اس سے بھی چیخوں کی آواز ابھر رہی تھی۔ وہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھی تک پہنچ گیا۔ دوسرا غوطہ خور ایک آکٹوپس کی گرفت میں پھنسا ہوا، ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ پہلے غوطہ خور نے اسے چھڑایا اور پھر دونوں جب سطح آب پر ابھرے تو وہ اس حیرت انگیز اسفنج کو بھی ساتھ ہی لے آئے تھے۔"

چیانگ یہ کہہ کر عمران کی طرف دیکھنے لگا جو بونقوں کی طرح منہ پھاڑے اس کی داستان سن رہا تھا۔ چیانگ کی ہنسی نکل گئی۔

"بہر طور اس اسفنج پر لیبارٹری میں تجربات کیے گئے تو اس کی ایک اور خصوصیت کا انکشاف ہوا کہ چند مخصوص کیمیکلز میں رکھ کر اسے بطور ٹیپ ریکارڈر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بی ہائیڈوکیپ کا فارمولا لیبارٹری میں محفوظ ہے۔ اب ہمارے غوطہ خوروں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز لیکن قدرتی ذریعہ ہے جسے وہ پانی کے اندر گفتگو کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ سائنس دانوں نے اسے ٹوپی کی صورت اس لیے دے دی کہ ہر غوطہ خور اسے باآسانی پہن سکے۔ میرا خیال ہے، اب آپ کا اطمینان ہو گیا ہوگا۔"

عمران منہ چلا کر بولا۔ "لیکن جو کیپ آپ کے ہاتھوں سے نکل گئی اس کے لیے آپ کی پریشانی سمجھ میں نہیں آئی۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔"

"دراصل اس کیپ میں چند انتہائی اہم راز ریکارڈ ہیں، جس کی بھنک بھی مخالف ملکوں کو مل گئی تو عالمگیر جنگ کے لیے اس کا انکشاف پٹرول کو... دیا سلائی دکھانے کے مترادف ہوگا۔" چیانگ نے وضاحت کی۔

"ہوں۔ مسٹر چیانگ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا۔ انشاء اللہ بہت جلد اس کیپ کا سراغ لگا کر اسے آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

"تھینک یو مسٹر عمران۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی۔ اس طرح ہماری حکومتوں کے درمیان دوستی کا رشتہ مزید مضبوط ہو جائے گا۔"

"جی ہاں... جی ہاں... کیا میں اپنی تصویر واپس لے سکتا ہوں؟" عمران نے ہاتھ آگے بڑھا کر چیانگ کے ہاتھ سے تصویر لے لی۔ "یہ بھی کیپ کے ساتھ ہی آپ کو مل جائے گی۔"

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" چیانگ نے اٹھتے

ہوئے کہا۔

"کچھ دیر تو بیٹھیے ابھی چائے آرہی ہے"۔ سر سلطان نے اس کا بازو پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

چائے کے لیے انہیں دس منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

چائے ختم کر کے چیانگ دوبارہ کھڑا ہو گیا اور جانے کی اجازت چاہی۔ پھر عمران سے مصافحہ کیا۔

سر سلطان اُسے باہر تک چھوڑنے گئے اور الوداع کہہ کر وہ واپس ڈرائنگ رُوم میں آئے تو عمران اُلّوؤں کی طرح دیدے پٹپٹا کر سر سلطان کی اس تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا جو ایک طرف دیوار پر آویزاں تھی۔

"تم کسی بھی وقت سنجیدہ نہیں رہتے"۔ سر سلطان مسکرا کر بیٹھتے ہوئے بولے "قدرت نے واقعی حیرت انگیز چیزیں تخلیق کی ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ سڑی لیسی ٹوپی اس قدر اہم بھی ہو سکتی ہے"۔

"قدرت . . ."۔ عمران بڑبڑایا "مجھے اس سے بہت شکایت ہے"۔

"وہ کیوں"۔ سر سلطان نے پوچھا۔

"دیکھیے نا، مجھے بنا دیا لیکن میری مادہ یعنی فیمیل کا دُور دُور نام و نشان تک نہیں ہے ہپ . . ."

عمران نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس سے پہلے کہ سر سلطان کا ہاتھ اس کی گُدّی پر پڑتا، دروازے میں سر سلطان کا ملازم دکھائی دیا۔ سر سلطان اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں"۔ ملازم نے کارڈ اُن کی طرف بڑھا دیا۔

"اللہ تیری شان۔ اب وزٹنگ کارڈ بھی صاحب ہونے لگے"۔ عمران بڑبڑا کر کھوپڑی کا عقبی حصہ ٹٹولنے لگا۔

سر سلطان نے ملازم کو کہا کہ وہ کارڈ بھجوانے والے شخص کو اندر لے آئے۔ ملازم تعظیماً جھکا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔



بلیک زیرو نے اپنی کار گریسی اسٹریٹ کے کارنر پر روک دی۔ نیچے اترنے سے پہلے اس نے شیشے چڑھائے اور دروازے لاک کر دیے۔ اس نے ایک لمبا کوٹ پہن رکھا تھا جس کے کالر اٹھے ہوئے تھے۔ کالروں نے اس کے رخساروں تک سایہ کر رکھا تھا۔ سر پر فیلٹ ہیٹ بھی تھا، جس کے جھکے ہوئے گوشے نے اس کی پیشانی چھپا لی تھی۔ وہ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ دُور و نزدیک کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

جس جگہ بلیک زیرو کھڑا تھا، وہاں اسٹریٹ لائٹ تھی اس کے علاوہ کوئی الیکٹرک پول نہیں تھا۔ گلی بھی اندھیری تھی۔ رات کا آخری پہر تھا۔ عمران نے اُسے سرِشام ہی جیگر کو ٹٹولنے کا حکم دے دیا تھا۔ بلیک زیرو نے ازراہِ احتیاط، نصف شب کے بعد ہی اس سے ملنے کا پروگرام بنایا تھا۔

گلی میں اندھیرا تھا۔

بلیک زیرو کے پیروں میں رَبر سول کے جُوتے تھے اس لیے ہلکی سی سرسراہٹ سے زیادہ آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔

دروازہ بند تھا۔

بلیک زیرو نے کچھ دیر آہٹ لی پھر دروازے کی طرف جُھک گیا۔ دباؤ ڈالنے پر پتہ چلا کہ دروازہ اندر سے مقفل ہے۔ بلیک زیرو نے جیب سے ماسٹر کی نکالی۔ چابی گھومتے ہی کِلک کی آواز کے ساتھ لاک کھل گیا۔

کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازہ کھول کر، وہ اندر داخل ہوا۔ سامنے ایک نیم تاریک راہداری تھی۔ جس میں ہلکی پاور کا بلب روشن تھا۔

بلیک زیرو نے اوورکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ریوالور کا دستہ مضبوطی سے تھام کر وہ گربہ قدمی سے آگے بڑھنے لگا۔ راہداری ختم ہوتے ہی ایک بند دروازہ دکھائی دیا۔ بلیک زیرو اس دروازے کے سامنے رُک گیا۔ لمحاتی توقف کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

دروازہ شاید کھلا ہوا تھا، دباؤ پڑتے ہی کواڑ کھلتے چلے گئے۔

اندر بے پناہ تاریکی تھی۔
بلیک زیرو نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔
وہ اندازے سے دیوار پر ہاتھ پھیرتا ہوا، سوئچ بورڈ تک پہنچا۔ سوئچ آن کرتے ہی اس نے ریوالور والا ہاتھ اٹھا لیا۔ اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔
بلیک زیرو اچھل پڑا۔
کمرے کے وسط میں، قالین پر ایک آرام کرسی پڑی ہوئی تھی۔ کرسی پر ایک کوتاہ قد لیکن پھیلی ہوئی جسامت والا شخص نیم دراز تھا۔ اس کی آنکھیں بلیک زیرو پر گڑی ہوئی تھیں" ذرا سی بھی حرکت تمہیں موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے" بلیک زیرو نے ریوالور والے ہاتھ کو گردش دیتے ہوئے غرا کر کہا۔
پستہ قد آدمی جو بلاشبہ جیگر ہی تھا، ساکت بیٹھا ہوا بلیک زیرو کو گھورتا رہا۔
بلیک زیرو کو حیرت ہوئی۔ جیگر نہ تو ریوالور دیکھ کر بوکھلایا اور نہ ہی کمرے میں اچانک روشنی ہوتے ہی چونکا تھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ، اپنی ننھی ننھی بٹن نما آنکھوں سے بلیک زیرو کو گھور رہا تھا۔
بلیک زیرو اسے ریوالور کی زد میں لیے آگے بڑھا اور اس کے قریب... بالکل سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کے ذہن میں، اچانک ہی ماحول کی پراسراریت کا تاثر جاگ اٹھا۔ اسے جیگر کی حالت میں کوئی غیر معمولی پن محسوس ہوا۔ ایک ہاتھ آگے بڑھا کر بلیک زیرو نے اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ جیگر نے پلک تک نہیں جھپکائی۔ اچانک بلیک زیرو نے اسی ہاتھ سے اس کا بازو پکڑا اور پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ کر اسے چھوڑ دیا۔
جیگر دھڑام سے فرش پر گرا اور بلیک زیرو کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔
جیگر کی پشت پر ایک گول سوراخ تھا جس سے ابلنے والا گاڑھا خون جم چکا تھا۔ آرام کرسی کی پشت گاہ خون آلود تھی۔ بلیک زیرو کی آنکھوں میں تشویش کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ اب وہاں رکنا

خطرناک تھا۔
بلیک زیرو نے جلدی جلدی کمرے کی تلاشی لی لیکن کوئی کام کی چیز ہاتھ نہ آئی۔ وہ تین کمروں پر مشتمل، ایک چھوٹا سا لیکن صاف ستھرا مکان تھا۔ پورے مکان کی تلاشی لینے میں اُسے کم و بیش بیس منٹ لگ گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ ایک مرتبہ پھر اس کمرے میں واپس آیا، جہاں جیگر کی لاش اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی۔
فرش پر گرنے سے زخم کا مُنہ دوبارہ کھل گیا اور اس سے خون رِستا ہُوا دکھائی دینے لگا۔ بلیک زیرو نے جھک کر اُسے سیدھا کیا۔ جیگر کی جامہ تلاشی کے بعد بھی اُسے مایوسی ہی ہوئی۔ وہ تین کمروں کی تلاشی لے کر واپس آیا تھا، ان میں امکانی جگہوں سے اپنی اُنگلیوں کے نشان صاف کر کے آیا تھا۔ لاش کی تلاشی لینے کے بعد اس نے اس کمرے میں ان جگہوں سے بھی نشانات ختم کر دیے جہاں اس کے ہاتھ لگتے رہے تھے۔ پھر لائٹ بجھا کر دروازہ پہلے کی طرح بند کر دیا۔
راہداری میں دبے پاؤں چلتا ہُوا وہ دروازے تک پہنچا اور دروازے کے قریب رُک کر آہٹ لینے لگا۔ باہر گلی سنسان پڑی تھی۔
بلیک زیرو نے کی ہول سے باہر جھانک کر دیکھا لیکن تاریکی کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ گلی میں کوئی نہیں ہے۔
دروازہ ایک مرتبہ پھر بے آواز کھُلا۔ بلیک زیرو نے ریوالور پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے قدم بڑھایا اور گلی میں پہنچ گیا۔ گلی تاریک اور سنسان تھی۔ کسی ایک بھی مکان سے روشنی کی کرن باہر آتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے کارنر کی طرف دیکھا اور تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔
گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے جیب سے چابی نکالی اور لاک کھول دیا۔ ابھی اس کا ہاتھ، ہینڈل گھمانے ہی والا تھا کہ بلیک زیرو کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔
اس نے کھڑکی کے شیشے سے، کسی چیز کے ٹکرانے کی ہلکی سی آواز سُنی تھی۔ دروازہ کھولنے کا ارادہ ترک کر کے بلیک زیرو نے جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور شیشے پر جھک گیا۔
اندر تاریکی کے باعث کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
بلیک زیرو نے دوسرے ہاتھ سے ٹارچ نکالی اور شیشے پر روشنی ڈال کر اندر جھانکنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کے پورے جسم پر خوف کی چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ شدید سردی کے باوجود، اُسے اپنا جسم پسینہ اگلتا ہُوا محسوس ہُوا۔
کار میں سُرخ رنگ کے عجیب سے ریشے دکھائی دے رہے تھے۔ پہلی نگاہ میں تو یہی محسوس ہُوا کہ کسی نے اُلجھی ہوئی بہت سی، سُرخ اُون کار میں ٹھونس دی ہو۔ لیکن بغور دیکھنے پر احساس ہوا کہ وہ دھاگے نہیں بلکہ عجیب الخلقت کیڑے ہیں... لمبے لمبے سُرخ رنگ کے اُلجھے ہوئے تاگہ نما کیڑے...
دیکھتے ہی دیکھتے جن کا حجم بڑھتا چلا گیا۔
بلیک زیرو چونک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔
دروازے کی نچلی طرف درز سے ایک سُرخ ریشہ باہر نکل آیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں بلیک زیرو نے اس کا جائزہ لیا تو حیرت سے اس کا مُنہ کھُل گیا۔
وہ ریشہ جو درحقیقت کیچوا نما ایک کیڑا تھا ہر ساعت اپنی لمبائی بڑھا رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ دو فٹ لمبا ہو گیا۔ بلیک زیرو کو نہ جانے کیا سُوجھی۔ اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور لائٹر نکال لیا۔ لائٹر کا پتھر رگڑ کر اس نے شعلہ اس سُرخ کیچوے کے مُنہ سے لگا دیا۔
شعلہ جیسے ہی سُرخ ریشے کے قریب پہنچا وہ ایک دھماکے سے جل اُٹھا۔ بلیک زیرو حیرت سے، پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس لمبے کیچوے کی طرف دیکھ رہا تھا جو اب ڈائنامائٹ کے کسی تار کی طرح جل رہا تھا۔ جلتا ہُوا حصّہ لمحہ بہ لمحہ کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس حصّے کی طرف، جہاں سے وہ باہر نکلا تھا۔ خطرے کی گھنٹی، بلیک زیرو کے ذہن میں تیز تر آواز کے ساتھ بجنے لگی۔ اس نے جست لگائی اور سڑک پر دوڑتا چلا گیا۔

ابھی وہ نصف فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کر پایا ہو گا کہ عقب سے ایک خوفناک دھماکا سنائی دیا۔ وہ چونک کر رُکا اور پلٹ کر دیکھا تو کار کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے۔ اس مخصوص جگہ تو چنگاریاں اُڑ رہی تھیں، جہاں کار کھڑی تھی۔

دھماکے کی آواز سے آس پاس کے مکانوں کی کھڑکیاں روشن ہونے لگی تھیں اس لیے بلیک زیرو وہاں سے بھاگ اُٹھا۔

کار اب بھی شعلوں میں گھری، دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

❦

عمران نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، جہاں ایک طویل القامت شخص کھڑا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ سر سلطان اُسے دیکھتے ہی صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی گویا نووارد کے ساتھ ان کے خاصے بے تکلف مراسم تھے: ”آؤ کرنل بھئی بہت دنوں بعد صورت دکھائی۔“

”بس سلطان۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ میں کس قدر مصروف آدمی ہوں۔“

”ان سے ملو۔ یہ ڈی جی رحمان کے صاحبزادے علی عمران ہیں۔ تم شاید اس سٹرپیر کے کارناموں سے واقف ہی ہو گے۔“

”اوہ، ہاں۔ بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر، صاحبزادے۔“

”تم... معاف کیجیے گا مؤخر الذکر خطاب پر میں شدید احتجاج کرتا ہوں۔“ عمران نے کرنل کا مصافحے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔“ کرنل نے کھسیا کر ہاتھ گرا دیا۔

”صاحبزادے... بروزن حرامزادے... بشاعری کے لحاظ سے ہم نوالہ و ہم پیالہ... سوری ہم قافیہ وغیرہ ہے۔“

”عمران۔“ سر سلطان نے اُسے ڈانٹ دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عمران تکلیف دہ حد تک مُنہ پھٹ تھا لیکن انھیں اس سے اتنی ڈھٹائی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ ان کے چہرے سے غصّے کا اظہار ہونے لگا۔

عمران سر جھکا کر چیونگم کچلنے لگا۔

”یہ کرنل ثنا فہمی ہیں۔ میرے بے تکلف دوستوں میں سے ایک...“ سر سلطان نے ماحول کو سازگار بنانے کے لیے عمران سے کہا۔

ان کی بات سنتے ہی عمران نے چونک کر کرنل کی طرف دیکھا جیسے پہلی بار دیکھا ہو... پھر لپک کر ان سے مصافحہ کیا اور بے ڈھنگے پن سے مسکرانے لگا۔

”واقعی بہت سٹرپیر ہو...“ کرنل ثنا فہمی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اچانک ہی پریشانیوں کے سائے لہرانے لگے تھے۔

عمران نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا اور کھوپڑی کا عقبی حصّہ سہلا کر بڑبڑایا ”یا شامتِ اعمال۔“

”کیا بات ہے کرنل، کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو...“ سر سلطان نے چونک کر پوچھا۔

”کچھ نہیں، بہت زیادہ پریشان ہوں، سلطان“ کرنل نے بھاری لہجے میں جواب دیا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”کچھ بتاؤ تو پتہ بھی چلے۔“ سر سلطان نے الجھتے ہوئے کہا۔

”کیا بتاؤں۔ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔“ کرنل نے بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور جیبیں ٹٹولنے لگا۔ کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد اس نے ایک نیلے رنگ کا لفافہ نکال کر سر سلطان کی طرف بڑھا دیا۔ سر سلطان نے لفافہ لے کر کھولا۔ اندر سے ٹائپ کیا ہوا ایک پرچہ برآمد ہوا۔ عمران نے کن انکھیوں سے سر سلطان کی طرف دیکھا۔ جیسے جیسے وہ پڑھ رہے تھے، ان کی پیشانی پر سلوٹوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ پرچہ ختم کر کے انھوں نے ایک طویل سانس لی اور کرنل کی طرف دیکھنے لگے ”تم کیا چاہتے ہو؟“ انھوں نے پوچھا۔

”تم ہی مشورہ دو سلطان... میں نہیں چاہتا کہ اس بلیک میلر کا پہلا تقاضا پورا کر کے اسے ہمیشہ

کے لیے گلے کا ہار بنا لوں۔ بلیک میلروں کی سرشت سے تم بخوبی واقف ہو۔ ان کا ہر تقاضا آخری ہی ہوتا ہے لیکن یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔"
"ہوں"، سر سلطان نے کن انکھیوں سے عمران کی طرف دیکھا اور پرچہ اس کی طرف بڑھایا۔ عمران نے سر کھجا کر پرچہ لیا اور پڑھنے لگا۔ پرچے میں چند بے حجاب تصاویر کا تذکرہ تھا جو غالباً کرنل شاہ فہمی کے عالم شباب میں، ان خواتین کے ساتھ اتاری گئی تھیں، جن سے اس کے مراسم رہے ہوں گے۔ بلیک میلر نے لفافے میں ایک تصویر بھی ارسال کی تھی لیکن شاید اُسے کرنل نے نکال لیا تھا۔
بلیک میلر نے اُسے دھمکی دی تھی کہ اگر وہ دو روز کے اندر اندر چالیس ہزار روپے چھوٹے نوٹوں کی شکل میں ادا نہیں کرتا تو تصاویر اس کے احباب میں تقسیم کر دی جائیں گی۔
عمران نے خط تہہ کر کے لفافے میں ڈال دیا۔
اس نے کن انکھیوں سے کرنل کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ کرنل محض ڈھونگ رچائے ہوئے ہے۔ جس وقت وہ کمرے میں داخل ہوا تھا تو عمران نے اس کی آنکھوں میں چمک دیکھی تھی جو غالباً اُسے وہاں موجود پا کر اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی۔ "اب آپ کیا چاہتے ہیں، کرنل؟" عمران اس مرتبہ براہِ راست کرنل ہی سے مخاطب ہوا۔
کرنل نے سر جھکا لیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں دکھائی دینے لگیں گویا وہ خود کو انتہائی شرمندہ پوز کر رہا تھا۔
"عمران بیٹے، میں تمہارے کارناموں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرا خیال ہے، سلطان سے زیادہ تم ہی میری کوئی مدد کر سکو گے۔"
"آپ بے فکر رہیئے، میں کل کسی وقت آپ کے ہاں آ کر آپ سے مل لوں گا اور پھر انشاء اللہ اس بلیک میلر کی دُم میں نمدہ کس دیا جائے گا۔"
اچانک عمران بوکھلا کر سر سلطان کی طرف دیکھنے لگا۔
"کیا بات ہے؟" سر سلطان بھی گھبرا گئے۔
"مم... مگر... لیکن... اگر اس بلیک میلر کی دُم نہ ہوئی تو... نمدہ کس جگہ... میرا مطلب ہے۔"
"خاموش رہو گدھے، تمھیں موقع کی نزاکت کا بھی احساس نہیں رہتا"، سر سلطان بھنا کر بولے۔ "میرا خیال ہے، اب تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔ بہت بیٹھ لیے۔"
"جی بہت اچھا"، عمران اُٹھا اور سعادتمندانہ انداز میں سر سلطان کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ اب وہ بڑے مزے سے ڈرائنگ روم میں ٹہل رہا تھا۔
سر سلطان نے اٹھ کر اس کی گردن ناپ لی اور غرائے "تم باز نہیں آؤ گے گدھے۔"
"ارے مر گیا۔ چھوڑیئے"۔ عمران حلق پھاڑ کر چیخا۔
سر سلطان نے بوکھلا کر اس کی گردن چھوڑ دی۔ یقیناً عمران کی آواز دوسرے کمرے تک پہنچی ہو گی۔ "اگر تم خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتے تو بھاگو یہاں سے۔"
"لگ... کیا اسی کمرے میں"۔ عمران نے مُنہ پھاڑ کر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سر سلطان کے چہرے پر بدمزگی کے تاثرات دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا۔ "دراصل میں آپ کو ایک پُر لطف اطلاع دینا چاہتا تھا۔" عمران کچھ دیر بعد متانت سے بولا۔
سر سلطان بے یقینی سے اُسے گھورتے رہے۔
"اگر تم نے گندگی پھیلائی تو بہت ماروں گا۔"
"ہے تو گندگی"۔ عمران مُنہ بنا کر بولا۔ "میں دراصل وہ سڑی بھسی ٹوپی آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"
"کون سی ٹوپی؟" سر سلطان نے حیرت سے پوچھا۔
"وہی ہائیڈ کیپ... بہت بدبودار اور میلی کچیلی ہے۔"
"کیا وہ تمہارے پاس ہے؟"
"جی ہاں!" عمران نے جواب دیا۔
"لیکن تم نے چیانگ سے یہ بات کیوں پوشیدہ رکھی؟"
"بزنس سیکرٹ بھی کوئی چیز ہے جناب۔"
"ہوں۔ لاؤ نکالو۔ کہاں ہے، وہ کیپ۔"
"میں اُسے رات دس بجے تک پہنچا دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اُسے صبح ہی چیانگ کے سفارتخانے کے حوالے کر دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ کیا چیانگ کو اطلاع دے دُوں"۔

"صبح پر ٹالیئے.... دراصل مجھے بھی اسے تلاش کرنا پڑے گا، نہ جانے کہاں ڈال رکھی ہے، میں نے بہر طور، دس بجے تک ضرور پہنچا دُوں گا"۔ عمران یہ کہہ کر اُٹھا، سر سلطان سے مصافحہ کیا اور پھر کرنل شنا فیھی کی طرف گھوم کر بولا۔ "کرنل میں کل کسی وقت آپ سے مل کر تفصیلی گفتگو کر دوں گا"۔

"مجھے اُمید ہے کہ تم میری مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کچھ کر سکو گے"۔ کرنل نے عمران سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

عمران ان سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔

چند لمحوں کے بعد اس کی ٹو سیٹر تیزی سے دانش منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں کرنل شنا فیھی کے نام آیا ہوا بلیک میلر کا وہ خط گھوم رہا تھا جس پر اس نے سُرخ رنگ کے سانپ کی تصویر دیکھی تھی یہ تصویر اگرچہ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، تاہم لہجے کے اسمگلروں کی تنظیم کے خاتمے پر اسے معلوم ہوا تھا کہ اس تنظیم کا جو شعبہ بلیک میلنگ کرتا ہے، اس کا مونوگرام ایسا ہی ایک سُرخ سانپ ہے۔



تنویر نے ہوٹل لائٹ اینڈ شیڈ کے کاؤنٹر کے قریب رُک کر ایک طائرانہ نگاہ ہال میں ڈالی۔ اس کی نگاہیں ایک ایک میز سے ہوتی ہوئی کارنر ٹیبل پر جم گئیں۔ کچھ دیر پہلے اُسے ایکسٹو نے لائٹ اینڈ شیڈ پہنچنے کا حکم دیا تھا۔

ایکسٹو کے حکم کے مطابق، اسے وہاں ایک سبز ساڑھی والی عورت کے قریب ہونے کی کوشش کرنا تھی وہ ایکسٹو کے مختصر احکامات پر ہمیشہ بھنا جاتا تھا لیکن اس مرتبہ بات ایک عورت سے مل بیٹھنے کی تھی۔ اس لیے اس نے تفصیلات میں جانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ ایکسٹو نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ عورت ہال میں نشانہ بازی کے عالمی چیمپئن، سینڈل پرانٹو کے ساتھ بیٹھی ہوئی ملے گی۔ حکم ملتے ہی وہ آندھی اور طوفان کی طرح لائٹ اینڈ شیڈ پہنچ گیا تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر اس نے سبز ساڑھی پہنے صرف ایک عورت کو دیکھا جو تنہا کارنر ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے مارٹینی کی بوتل اور دو گلاس تھے۔ دوسرا گلاس خالی تھا۔

تنویر سمجھ گیا کہ کچھ دیر پہلے سینڈل پرانٹو وہاں موجود رہا ہو گا۔ وہ خاموشی سے کارنر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا قریب پہنچ کر اس نے سبز ساڑھی والی عورت کی طرف دیکھا۔ خاصی خوبصورت عورت تھی۔ چہرے کے خدوخال غیر مُلکیوں جیسے تھے لیکن ساڑھی کی وجہ سے اس کی شخصیت میں مشرقیت جھلک آئی تھی۔ تنویر کو وقتی طور پر اور کچھ نہیں سُوجھا تو جلد بازی میں اس نے بے تکلفی سے کُرسی گھسیٹی اور بوکھلا کر بولا۔ "معاف کرنا ڈیئر، مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ دراصل... ایں...!" تنویر کے چہرے پر اس مرتبہ بوکھلاہٹ کے تاثرات بڑے گہرے اور فطری تھے۔ اگر ایکسٹو اپنے اس ماتحت کی اداکاری دیکھ رہا ہوتا تو وہ اُسے سراہے بغیر نہ رہتا۔ "سُوری میڈم۔ وہ بالکل آپ کی جیسی شکل و صورت کی مالک ہے"۔

"کوئی بات نہیں"۔ عورت کے ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "میں بھی اس وقت تنہا ہوں۔ آپ چاہیں تو ہم کچھ دیر کے لیے اچھے ساتھی ثابت ہو سکتے ہیں"۔

"تھینک یو"۔ تنویر مسکرایا اور دل ہی دل میں خوش ہوا کہ مچھلی خود بخود ہی جال میں آ رہی ہے۔ "آپ شاید غیر ملکی ہیں۔ مجھے غیر ملکیوں سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے"۔

"مشرق مہمان نوازی کے سلسلے میں سب سے آگے ہے۔ مجھے یہاں کی تہذیب سے گہری دلچسپی ہے۔ مشرقی لباس تو میری کمزوری ہے"۔

"آپ غالباً آسٹریلین ہیں"۔

"نہیں، میں نیوزی لینڈ سے آئی ہوں"۔

"نیوزی لینڈ"۔ تنویر نے ایک لذت آمیز سسکی بھرتے ہوئے کہا۔ "کتنا حسین نام ہے، پھر ان دنوں وہاں کے مسٹر سینڈل پرانٹو نے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے یہاں تہلکہ مچا رکھا ہے۔ کاش، میں اس عظیم فنکار سے بالمشافہ مل سکتا۔ بڑی آرزو ہے"۔

"مسٹر سینڈل پرانٹو ابھی کچھ دیر پہلے یہاں موجود تھے۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "کبھی موقع ملا تو آپ کو ضرور ان سے ملوا دوں گی۔ آپ کیا پینا پسند کریں گے؟"

"شکریہ... لیکن میزبانی کا فرض ادا کرنے کا شرف مجھے حاصل ہو تو میں اُسے اپنی خوش قسمتی خیال کروں گا۔ نیوزی لینڈ بہت خوبصورت ملک ہے۔ میں ایک دوبار وہاں جا چکا ہوں۔"

عورت مسکرانے لگی۔

"دراصل میرے پاپا آسٹریلوی تھے اور ماں نیوزی لینڈ کی رہنے والی تھی۔ اس لیے مجھے وہاں رہنے کا بہت ہی کم موقع ملا۔ میرا نام باربرا ہے لیکن آپ مجھے باربی کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ مجھے یہ نام بہت ہی پسند ہے کیونکہ میرے پاپا مجھے اسی نام سے پکارا کرتے تھے۔"

"اوہ۔ باربی۔ کس قدر حسین نام ہے۔ بالکل آپ کی طرح..." تنویر نے اس کی جھیل جیسی آنکھوں میں کھو کر دبے لہجے میں کہا۔ "نیوزی لینڈ کے باشندوں سے میری عقیدت جنوں کی حد تک ہے پھر وہ پرندہ... کیا نام ہے، اس کا... تنویر سوچ میں پڑ گیا۔

"کیوی۔" باربی مترنم لہجے میں بولی۔ "جی ہاں، کیوی میرے ملک کا بہت عجیب جانور ہے جو دُنیا کے کسی اور ملک میں نہیں پایا جاتا۔"

"میں آزادیٔ نسواں کا شروع سے حامی رہا ہوں اس لیے نیوزی لینڈ سے میری عقیدت کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ دُنیا بھر میں یہ پہلا ملک ہے جس نے عورتوں کو حق رائے دہندگی عطا کیا۔ کہیں میں مبالغے سے کام تو نہیں لے رہا؟"

"جی نہیں۔ آپ کی معلومات خاصی وسیع ہیں۔" باربی مسکراتی ہوئی بولی۔ اس نے مارٹینی کی بوتل سے کچھ سیال خالی گلاس میں انڈیلا اور تنویر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اٹھائیے۔ اس حسین ملاقات کا ایک ایک جام پئیں۔"

تنویر نے بلا تکلف جام اٹھا لیا۔ دونوں کے گلاس ٹکرائے اور ان کے ہونٹوں سے لگ گئے۔ وہ نہ جانے کب سے پی رہی تھی۔ تنویر کی رفاقت میں اس نے تین گلاس پیئے اور بہکنے لگی۔ تنویر نے اس کی آنکھوں میں وہ پُراسرار چمک محسوس کی جو اس جیسی آزاد خیال عورت کی آنکھوں میں کسی خوبصورت ساتھی کی موجودگی میں پیدا ہونا ناگزیر تھی۔

"تم کتنے خوبصورت ہو۔ مشرق کے خوبصورت لوگ۔ مشرقی شہزادے میری کمزوری بنتے جا رہے ہیں۔" باربی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"زیادہ تعریف نہ کریں۔ کہیں میں خوشی سے پاگل نہ ہو جاؤں۔" تنویر نے جواباً ایک حسین مسکراہٹ اچھالی۔ مارٹینی کی بوتل ختم ہوتے ہوتے، باربرا تنویر سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھی۔ دیکھنے میں اب وہ برسوں کے شناسا دکھائی دے رہے تھے۔

"تم کہاں رہتی ہو ڈیئر؟" تنویر نے ریشہ خطمی ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں یہاں سیاحت کی غرض سے آئی تھی۔ آج کل ایک قدرداں کے ہاں مقیم ہوں۔ لیکن تم فکر نہ کرو، وہ میری مصروفیات میں حارج نہیں ہوتا۔"

"اوہ... لیکن اب تو تمھیں میرے غریب خانے پر رونق افروز ہونا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں قیام کے دوران اچھی طرح لطف اندوز ہو سکو۔" تنویر نے باربرا کا ہاتھ تھام کر استدعا کی جسے بلا پس و پیش قبول کر لیا گیا۔

"لیکن مجھے اپنے دوست کو اطلاع دینا پڑے گی۔ مجھے غائب پا کر اُسے تشویش ہو گی۔ میری گاڑی باہر موجود ہے۔ آؤ چلتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے، تم اُسے فون پر اطلاع دے دو۔"

"یہ بد اخلاقی ہو گی۔ کچھ زیادہ دُور بھی نہیں ہے، آؤ۔ تم یقیناً اس سے مل کر خوش ہو گے۔ بہت ہی دلچسپ آدمی ہیں۔ تمھاری طرح غیر ملکیوں سے اس کی لگاوٹ بھی دلوانگی کی حد تک ہے۔ آؤ۔" باربرا اُٹھ گئی۔

بل ادا کرنے میں تنویر نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا حالانکہ باربرا اُسے روکتی ہی رہ گئی تھی، لیکن تنویر اس کا ذہن تو اس وقت ساتویں آسمان پر اُڑ رہا تھا۔ وہ باربرا کا ہاتھ تھام کر اُسے باہر لے آیا۔ اپنی

گاڑی اس نے پارکنگ میں ہی چھوڑ دی تھی وہ باربرا کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"اگر تم ڈرائیونگ میں دشواری محسوس کرو تو میری خدمات حاضر ہیں۔"

"اوہ ضرور۔" باربرا برابر والی سیٹ پر چلی گئی۔

تنویر نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اور مسرور انداز میں گنگناتا ہوا منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ باربرا نے دو ایک بار اس کی رہنمائی کی۔

پندرہ منٹ بعد وہ ایک عالیشان حویلی کے پورچ میں اُتر رہے تھے۔

کار رُکتے ہی ایک باوردی ملازم نے دروازہ کھولا۔ تنویر باربرا کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اُتر آیا۔ باربرا نے ملازم کی طرف دیکھا۔ "کیا کرنل موجود ہیں؟"

"جی نہیں۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ مسٹر سینڈل پرانٹو دیر سے ان کی راہ دیکھ رہے ہیں۔"

"اوہ، تو وہ یہاں ہے۔ آؤ، میں تمھیں اس سے ملواتی ہوں۔" باربرا نے تنویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں ڈرائنگ روم میں جا پہنچے۔ اندر سینڈل پرانٹو ایک صوفہ پر بیٹھا کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"اوہ باربی۔ کرنل ابھی تک نہیں آئے۔ مجھے صبح کی فلائٹ سے واپس جانا تھا۔ اس لیے سوچا کہ ان سے ملتا جاؤں۔"

"ان سے ملو ڈیئر۔ مسٹر تنویر۔۔ بڑے اچھے دوست ہیں اور یہ تم سے ملنے کے خواہش مند تھے۔ اتفاق سے تم مل گئے ہو تو ان کی یہ آرزو بھی پوری ہو گئی۔"

تنویر نے سینڈل پرانٹو سے مصافحہ کیا اور اس کی نشانے بازی کی تعریف کرنے لگا۔

"مسٹر تنویر۔ اب میں اس فن سے سبکدوش ہو گیا ہوں۔ براہِ کرم اس کا تذکرہ نہ کریں تو بہتر ہے۔" سینڈل پرانٹو کے چہرے پر کرب کے تاثرات دکھائی دینے لگے۔

"کیوں مسٹر پرانٹو آپ تو۔۔۔"

"یہاں مجھ سے بھی بہتر فنکار موجود ہے۔ اس لیے مقابلے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں ابھی نوآموز ہوں۔ خُدا کی پناہ۔ اتنا سچا نشانہ۔۔۔"

سینڈل پرانٹو نے اپنی پیشانی تھام لی۔

تنویر کی نگاہوں میں عمران گھوم گیا۔ اس نے بدمزگی سے منہ بنایا اور بولا "وہ ایک مسخرے سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ آپ بلاوجہ اُسے اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔"

"کیا بات کرتے ہیں، آپ۔ اتنے بڑے فنکار کو آپ مسخرہ کہتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے، جناب یہ اس کی توہین ہے۔ کاش وہ مجھے ایک بار پھر دکھائی دیتا۔ میں اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" سینڈل پرانٹو نے بڑے احترام سے جواب دیا۔

"وہ۔۔۔ وہ واقعی بہت بڑا فنکار ہے ڈیئر۔ کتنی پُراسرار شخصیت کا مالک تھا۔ میں بھی اس سے ملنے کیلئے بے چین ہوں لیکن وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ مقابلے کے بعد کہیں دکھائی ہی نہیں دیا۔"

باربرا کے خیالات تنویر کے لیے کسی تازیانے سے کم نہ تھے۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور مسکرا کر بولا "ہم بھی کن باتوں میں الجھ گئے۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں چلنا چاہیے۔" اس نے آخری جملہ باربرا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اسی لمحے اس کی نگاہ دروازے میں کھڑے ہوئے ایک شخص پر پڑی۔ وہ شخص سیاہ اوورکوٹ میں ملبوس تھا۔ آنکھوں پر تاریک چشمے اور کوٹ کے کالر کھڑے ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"کون کرنل۔ اوہ۔ تم۔۔" باربرا کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ اس کے چہرے پر دہشت کے تاثرات پھیل گئے۔ اگر تنویر نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ یقیناً فرش پر گر گئی ہوتی۔ باربرا بے ہوش ہو گئی تھی۔

باربرا جیسے ہی دروازے کی طرف مُڑی تھی۔ اس شخص نے چشمہ اتار کر کوٹ کے کالر گرا دیے تھے تنویر نے اُسے پہچان لیا۔ وہ وہی اندھا نشانچی تھا جو سینڈل پرانٹو کو چیلنج کرنے کے بعد کہیں غائب ہو گیا تھا۔

"اوہ تو یہ تم ہو دوست۔ آؤ لیکن مجھے حیرت

ہے کہ تم چیلنج کرنے کے بعد یکایک غائب کہاں ہو گئے تھے۔" سینڈل پرانٹو مسکراتا ہوا اندھے کی طرف بڑھا۔

تنویر نے باربرا کو صوفے پر ڈال دیا اور اندھے کو قہر آلود نگاہوں سے گھورنے لگا۔ باربرا کی بے ہوشی کی وجہ سے اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی اس لیے وہ اندھے کی آمد پر بُری طرح جھلا گیا تھا۔

"مجھے صرف کرنل شافعی سے ملنا ہے۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ وہ ابھی تک واپس گھر نہیں آئے۔ میں پھر آؤں گا۔" اندھا یہ کہہ کر جانے کے لیے پلٹا۔ اس نے نہ تو باربرا کی چیخ پر حیرت کا اظہار کیا اور نہ ہی سینڈل پرانٹو کی بات کا کوئی جواب دیا تھا۔

سینڈل پرانٹو نے اس سے رُکنے کی استدعا کی لیکن اندھا رُکا نہیں۔ وہ تیزی سے پلٹا اور راہداری میں اس کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی تنویر تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"آپ کہاں چل دیے مسٹر تنویر۔ ڈاکٹر کو فون کیجیے۔ نہ جانے باربرا کو کیا ہو گیا ہے۔"

سینڈل پرانٹو کی آواز سن کر تنویر رک گیا۔ اس نے ایک نظر باربرا کی طرف دیکھا۔"میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ واپسی پر ڈاکٹر کو بھی فون کر دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے راہداری میں پہنچا۔

اس وقت تک اندھا راہداری کے کارنر پر پہنچ چکا تھا۔

تنویر بھاگ کر اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ اندھے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تنویر نے اُسے روکا اور غرایا۔ "ٹھہرو۔ بلائنڈ مین۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمھاری منحوس صورت دیکھ کر ایک حسین خاتون بے ہوش ہو گئی ہیں۔"

"زیادہ ہیرو بننے کی کوشش نہ کرو۔ فوراً اپنے فلیٹ واپس جاؤ۔" اندھے کے حلق سے غراتی ہوئی آواز نکلی۔

تنویر کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ اس آواز کو کس طرح بھلا سکتا تھا۔ یہ آواز تو اس کے اعصاب پر ہر وقت کسی آسیب کی طرح سوار رہتی تھی۔

"چیف"، تنویر بڑبڑایا اور سامنے دیکھنے لگا جہاں اس کا پُراسرار چیف ایک کار میں بیٹھا حویلی کے مین گیٹ سے باہر جا رہا تھا۔



ہارڈی نے ایک طویل سانس لی اور دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتا ، سی بریز میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی ، گینڈے جیسی جسامت والا ایک شخص لپک کر اس کے قریب پہنچا۔ "اوہ ہارڈی۔ تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہاں۔ ٹھیک ہوں"، ہارڈی نے خشک لہجے میں جواب دیا اور اس کے ساتھ چلتا ہُوا کاؤنٹر کے قریب جا پہنچا۔

کاؤنٹر پر لمحہ بھر کے لیے رُک کر اس نے اپنی سُرخ سُرخ انگارہ آنکھوں سے بارٹینڈر کی طرف دیکھا اور غرایا۔" وسکی اُوپر بھیج دو۔ جلدی۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ گینڈا نما شخص اب بھی اس کے ساتھ تھا۔

"کیا تم نے باس کو میری کال کی اطلاع دے دی تھی ، جیکی؟"

"ہاں"، جیکی نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"پھر..."، کیا جواب دیا؟"

"وہ کچھ دیر بعد تم سے براہِ راست گفتگو کرے گا۔ میرا خیال ہے ، ہمیں جلدی سے کمرے میں پہنچ جانا چاہیے۔ ممکن ہے باس ٹرانسمیٹر پر ٹرائی کر رہا ہو۔"

ہارڈی نے رفتار تیز کر دی۔

دونوں ایک کمرے میں پہنچ گئے۔

"دیکھو۔ ممکن ہے ، ٹرانسمیٹر سگنل دے رہا ہو۔" جیکی نے کمرے کی دائیں دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہارڈی خاموشی سے الماری کی طرف بڑھ گیا جیکی نے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا تھا۔ جیسے ہی ہارڈی نے الماری کھولی ، اس کے ہاتھ جہاں کے تہاں رہ گئے۔ اسے عقب میں ہلکی سی کلک کی آواز سُنائی دی تھی۔ وہ غرا کر پلٹا اور پھر اس کی سُرخ آنکھیں جیکی پر جم گئیں۔ جیکی کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا اور ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ تھی۔

"میں ، تمھارا مطلب نہیں سمجھا"، ہارڈی حلق

کے بل چیخا۔
"بیکار ہے، دوست۔ مجھے افسوس ہے کہ تم مرنے جا رہے ہو۔"
"کیا یہ باس کا حکم ہے؟"
"کاش میں تمھیں اتنی مہلت دے سکتا کہ تم باس سے خود دریافت کر لیتے۔" جیکی نے ریوالور والا ہاتھ لہرا کر کہا۔ "اس سے بہتر تھا کہ تم بٹن چبا ڈالتے۔"
"لیکن میں اتفاق سے بٹن یہیں بھول گیا تھا۔" ہارڈی نے جواب دیا۔
"جبکہ باس نے سختی سے ہدایت کر رکھی ہے کہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا نہ کیا جائے۔ کیا تم ہمیں اتنا ہی احمق سمجھتے ہو، ہارڈی؟"
"کاش میں نے تنظیم سے وفاداری کی قسم نہ کھائی ہوتی۔" ہارڈی کے لہجے میں درد سمٹ آیا۔ "میں نے کتنے مصائب سہے لیکن زبان نہیں کھولی۔ کیا تم جانتے ہو میں کتنی مشکلوں سے فرار ہو کر آیا ہوں۔"
"فرار ہونے کے بعد ادھر آنا حماقت تھی، دوست تم جانتے ہو کہ جنگی قیدیوں کو واپس ان کے عہدوں پر کبھی نہیں لیا جاتا۔"

ہارڈی، جیکی کو باتوں میں الجھا کر آہستہ آہستہ اس سے قریب ہوتا جا رہا تھا لیکن شاید اس کی خام خیالی ہی تھی کہ وہ جیکی کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ جیسے ہی جیکی سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچا، جیکی نے لبلبی پہ انگلی کا دباؤ بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں کولٹ ریوالور تھا جس کے نئے ماڈل میں، سائیلنسر نال کے اندر ہی فٹ تھا۔
"بہت خوب۔" جیکی نے کہا۔ "اب رک جاؤ۔"
اسی لمحے ہارڈی نے چھلانگ لگا دی۔ گولی اس کے کان کو چھوتی ہوئی گزر رہی تھی۔ جیکی نے نشانہ خطا ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے پھرتی سے دوسرا فائر کیا لیکن یہ کیا؟ ہارڈی تو بجلی کی طرح تڑپ کر کمرے کے دوسرے گوشے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ ریوالور سے نکلنے والی بے آواز گولی دیوار کا پلاسٹر ادھیڑتی ہوئی نیچے گر گئی۔

جیکی نے بوکھلا کر اپنے ریوالور کی طرف دیکھا۔
اس سے قبل کہ وہ صورت حال سے آگاہ ہوتا، ہارڈی اڑتا ہوا اس پر آ پڑا۔ اس نے ریوالور پہ ہاتھ مارا، جو جیکی کے ہاتھ سے گر گیا... پھر ہارڈی نے ریوالور اٹھانے میں جس پھرتی کا مظاہرہ کیا اسے جیکی دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا۔
"بس پیارے اب ہاتھ جھاڑ کر دیوار سے لگ جاؤ۔"
اس مرتبہ ہارڈی کے حلق سے بالکل ہی اجنبی آواز سنائی دی۔
جیکی بری طرح چونک پڑا۔ "تم کون ہو؟"
"میں..." ہارڈی کے لبوں پر بڑی پُراسرار مسکراہٹ کھیل گئی۔ "میں تمھارا والدِ محترم ہوں، فرزند۔ کچھ لوگ مجھے علی عمران ایم۔ایس۔سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ آکسن کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں لیکن بعد میں انہیں برفانی آہیں بھرنا پڑتی ہیں۔ چلو دیوار سے لگ جاؤ۔"
عمران نے ریوالور والا ہاتھ جھلایا۔
جیکی کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ "لیکن تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے۔" وہ بڑبڑایا۔
"کیوں... کیا ملک الموت نے تمھیں ٹیلی گرام بھجوا رکھا ہے؟"
"یہ درست کہہ رہا ہے، احمق دوست!" کمرے میں ایک بھیانک غراہٹ سنائی دی۔
عمران چونک کر پلٹ پڑا۔
کمرے کی عقبی دیوار میں ایک خلا دکھائی دیا جس میں سر تاپا سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور دکھائی دے رہا تھا جس کا رخ عمران کی طرف تھا۔
"وو... وا... قعی... تم تو آ پہنچے..."
عمران بری طرح لرزتے ہوئے بولا۔ "اب کیا کروں۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا... پھر ہونقوں کی طرح دیدے پھاڑ پھاڑ کر سیاہ پوش کی طرف دیکھنے لگا جس نے خوفناک لیکن بتدریج بلند ہوتا ہوا قہقہہ لگایا تھا۔
"ریوالور پھینک کر ادھر ہٹ جاؤ۔"
"کنفیوشس نے کہا ہے کہ پردہ نشین مرد"

مونچھ دار عورتوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اس لیے ریوالور پھینکنے کی فرمائش واپس ہی لے لو تو بہتر ہے۔"

"جیکی... اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لو۔" سیاہ پوش غرایا۔

اس سے قبل کہ جیکی، عمران کی طرف بڑھتا، سیاہ پوش کی پیٹھ پر ایک زوردار ٹھوکر پڑی اور وہ منہ کے بل فرش پر آ رہا۔

عمران نے فائر جھونک مارا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔

سیاہ پوش گرتے گرتے کسی بازی گر کی طرح اچانک سنبھل گیا تھا۔ اس کے عقب میں صفدر، ٹامی گن سنبھالے کھڑا تھا۔

"خیال رکھنا صفدر، یہ لنگور کا بچہ اچھل کر بھاگنے نہ پائے۔ اگر یہ ذرا بھی غلط حرکت کرے تو بلا تامل شوٹ کر دینا۔"

"آپ بے فکر رہیں، عمران صاحب۔" صفدر نے کہا اور ساتھ ہی اس کی کراہ بھی سنائی دی۔

سیاہ پوش حیرت انگیز انداز میں اچھل کر اس کے سر کے اوپر سے گزرتا ہوا دور جا گرا۔ صفدر نے پھرتی سے پلٹ کر ٹامی گن کا دہانہ کھول دیا۔

ٹامی گن آگ اگلتی رہی لیکن سیاہ پوش کی گرد کو بھی نہ پا سکی۔

"اسے سنبھالو۔" عمران نے جیکی کی طرف اشارہ کیا اور خود سیاہ پوش کے پیچھے لپکا۔ وہ ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا ہوگا کہ عقب سے جیکی کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔

عمران نے پلٹ کر دیکھا۔ جیکی دیوانوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ "بھاگ جاؤ۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ... وہ عمارت کو ڈائنا مائٹ سے اڑا دے گا۔"

"ڈائنا مائٹ..." عمران بڑبڑایا۔

"چلو ادھر آؤ۔ آگے بڑھو۔" صفدر نے جیکی کو ٹامی گن کی زد پر لے لیا اور تینوں آگے پیچھے دوڑ پڑے۔ ان کے عقب میں، دیر ہوئی، دروازہ بند ہو چکا تھا۔

"تیزی سے بھاگو... عقبی دروازے کا میکنزم نیچے ہے، ہم اسے نہیں کھول سکتے۔" جیکی نے دوبارہ چلا کر کہا۔ وہ آگے آگے دیوانوں کی طرح بھاگا چلا جا رہا تھا۔ عقب میں عمران اور صفدر تھے۔

اس وقت وہ ایک تہ خانے میں دوڑ رہے تھے، جس کے آخر میں ایک سُرنگ کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا۔ "ابے کہیں عقلمند تو نہیں بنا رہا مجھ کو؟" عمران نے دوڑتے دوڑتے چیخ کر پوچھا۔

"زندگی چاہتے ہو تو اس سُرنگ سے نکلنے کی کوشش کرو۔" جیکی یہ کہہ کر سُرنگ میں گھس گیا۔

عین اُسی لمحے، عقب میں، ایک کان پھاڑ دھماکا ہُوا۔ عمران کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ چند لمحے پیشتر وہ جس جگہ تھے، وہی حصّہ نیچے آ گرا تھا۔ اس کے بعد پے در پے دھماکے ہونے لگے۔

سُرنگ کا دہانہ بند ہو چکا تھا اور وہاں گھُپ اندھیرا تھا۔ وہ پوری قوت سے دوڑ رہے تھے۔ ہر ساعت یہی خطرہ لاحق تھا کہ کہیں سُرنگ کی چھت نہ سروں پر گر پڑے۔ صفدر اس اچانک افتاد سے قدرے حواس باختہ ہو گیا البتہ عمران اب بھی عجیب آوازیں نکالتا ہُوا آگے آگے دوڑ رہا تھا۔

"صفدر دائیں طرف..." عمران چیخا۔

وہ ایک ایسی سُرنگ میں داخل ہوئے جس میں پیٹرومیکس کی روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔ فضا میں نمی و سیلن تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیوں سے یہ غار تازہ ہوا کے ایک جھونکے کو ترس رہی ہو۔ دوڑتے دوڑتے اُن کی ٹانگیں دُکھنے لگیں۔ وہ ایسے گھوڑوں کی مانند ہانپ رہے تھے، جو طویل مسافت طے کر کے آئے ہوں۔ معاً صفدر کی رفتار کم ہونے لگی۔

"سُستی مت کرو۔" عمران چلایا۔

عین اُسی لمحے، اُن کے عقب میں ایک اور دھماکا ہُوا... چنگاریاں سی اُڑیں اور سُرنگ میں گویا بھونچال آ گیا۔

"راستہ بند ہونے سے پہلے نکل چلو۔" عمران کے چہرے پر درندگی عود کر آئی۔ اُس نے صفدر کو کچوکا دیا۔ صفدر کی ٹانگوں میں ایک بار پھر چُستی آ گئی۔

ان کی تیز رفتاری حیرت انگیز تھی ورنہ عام حالات میں وہ کبھی شرطیں لگا کر بھاگتے، تب بھی شاید اتنا تیز نہیں دوڑ سکتے تھے۔ جیکی اپنے گینڈے جیسے جسم کے باوجود اب تک ان سب سے آگے تھا۔ اس کی ٹانگیں بالکل میکانکی انداز میں حرکت کر رہی تھیں۔

اچانک صفدر کو ٹھوکر لگی۔

وہ منہ کے بل گرا۔ عمران اس کے پیچھے تھا۔ اگر وہ پھرتی سے خود کو نہ روک لیتا تو شاید صفدر اس کے پیروں تلے کچلا ہی جاتا۔

سُرنگ پے در پے دھماکوں سے گونج رہی تھی۔

صفدر نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن گھٹنا پکڑ کر کراہنے لگا۔ شاید اس کا گھٹنا اُتر گیا تھا۔

عمران نے پیچھے دیکھا۔ ان سے چند گز کے فاصلے پر سُرنگ گرتی چلی آ رہی تھی۔ وہ پھرتی سے جھکا اور اُس نے صفدر کو کندھے پہ ڈال لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ پھر بھاگ اُٹھا۔ جیکی اتنی دیر میں بہت آگے نکل چکا تھا۔ عمران اُسے نگاہوں سے اوجھل نہیں رکھنا چاہتا تھا کیونکہ سُرنگوں کا جال، بُھول بھلیوں کی طرح پھیلا ہُوا تھا۔ جیکی جانے پہچانے راستوں پر بھاگ رہا تھا اس لیے اس کا تعاقب ہی وہ واحد ذریعہ تھا جس سے وہ اپنی زندگی محفوظ رکھ سکتے تھے۔

عمران، صفدر کو اُٹھائے تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت اور درشتی کے آثار تھے۔ انداز سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس نے صفدر جیسے صحت مند آدمی کو اُٹھا رکھا ہے۔ وہ اُسے ہلکے پُھلکے بچّے کی طرح اُٹھائے، آگے ہی آگے دوڑ رہا تھا۔

دفعتاً عمران کی نگاہ سامنے پڑی۔ اس نے جیکی کو ایک زنجیر سے اُلجھے ہوئے دیکھا۔ عمران قریب پہنچا تو جیکی زنجیر کو پوری قوت سے نیچے کھینچ کر چھوڑ چکا تھا۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہُوئی اور ان کے دائیں جانب کی ایک دیوار کا کچھ حصّہ ٹوٹ کر غار میں گر گیا۔ عمران نے صفدر کو سنبھالا اور پھرتی سے الگ ہٹ گیا ورنہ منوں مٹی ان پر آ گرتی۔

دیوار کا وہ حصّہ گرنے سے جو راستہ پیدا ہو گیا تھا، اس سے ٹھنڈی اور تازہ ہَوا کا ایک جھونکا اندر آیا۔

جیکی نے عمران کے دیکھتے ہی دیکھتے جست لگائی۔ اور اس راستے سے باہر کُود گیا۔

عمران نے بھی سُستی نہیں دکھائی۔ اس نے صفدر کو مضبوطی سے کندھوں پہ جمایا اور جست لگا کر باہر آ گیا۔

”اُدھر۔ اس طرف بھاگو۔“ جیکی نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔

عمران اسی طرف دوڑنے لگا۔

ابھی وہ ساحل پر پہنچے ہی تھے کہ سمندر کی سطح پر تیرتی ہُوئی ایک تیز رفتار لانچ اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ معاً ایک کان پھاڑ دھماکا ہُوا اور ساحل سے کچھ فاصلے پر گہرے گہرے کھڈ بن گئے۔ جن سے گرد کے بادل اُٹھ رہے تھے۔

عمران نے ایک نظر لانچ کی طرف دیکھا جس پر بحریہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔



دارالحکومت کے ٹاور نے اپنی مہیب آواز میں ایک بجنے کا اعلان کیا تو چھوٹی سُوئی نے کاہلی سے کھسک کر ایک کے ہندسے پر گھر بنا لیا۔

ہواؤں کا شور بڑھ رہا تھا۔

بادل سرِ شام ہی آسمان پر نمودار ہُوئے تھے اور آناً فاناً باغیوں کی طرح ان کا تسلّط، آسمان پر قائم ہو گیا تھا۔ نصف شب کے فوراً بعد بُوندا باندی بھی شروع ہو گئی۔ دارالحکومت کی جدید ترین کالونی کی سڑکیں بھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ہَوا کے زور نے تاروں کو توڑ ڈالا تھا۔ کبھی کبھی بجلی چمکتی تو ایک سیاہ وین کا عقبی حصّہ دکھائی دے جاتا تھا جس کی عقبی بتیاں بُجھی ہوئی تھیں۔

ڈرائیونگ وہیل سنبھالے وہ سایہ، بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے گلشن کالونی کے بیرونی حصّے کی طرف گاڑی کو موڑا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔

وین کا سفر زیادہ طویل ثابت نہیں ہُوا۔ لگ بھگ بیس منٹ بعد گاڑی ایک اندھیری

سڑک کے کنارے رُک گئی۔ وین کا دروازہ کھلا اور وہ سایہ آہستگی کے ساتھ نیچے اترا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد اس نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے۔ فلیٹ ہیٹ کا گوشہ جھکایا اور سڑک کے کنارے آگے بڑھنے لگا۔

اس کی چال میں عجلت تھی۔ جلد ہی وہ ایک کوٹھی کے گیٹ کے سامنے رُکا اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے آہٹ لی۔ کوٹھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ غالباً پورے علاقے کی بجلی گئی ہوئی تھی۔ سائے نے اوور کوٹ کی جیب ٹٹولی اور ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

اسے گیٹ کے قریب ہی ہلکی سی آہٹ سُنائی دی تھی۔

آہٹ سُنتے ہی وہ ریوالور مضبوطی سے تھامے، گیٹ کے ساتھ والی دیوار کی طرف رینگ گیا۔ دیوار سے چپک کر اس نے اِدھر اُدھر جائزہ لیا۔ کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر یہ آواز کیسی تھی؟

”ٹک... تڑک... ٹک... تڑک... تڑک...“

سیاہ پوش سایہ دیوار سے چپکا بیٹھا رہا اور غور کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دبے پاؤں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ شاید اس نے آواز کی سمت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

ہلکی ہلکی آواز اب بھی آ رہی تھی۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی دبے قدموں آس پاس منڈلا رہا ہو۔ وہ دیوار کی اوٹ میں چلتا رہا۔ اچانک اس کے حلق سے ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

اس کا پاؤں کسی نرم نرم جسم سے ٹکرایا۔ اور رات کے سناٹے میں چیاؤں چیاؤں کی کریہہ آواز نے کپکپی طاری کر دی۔

سائے کے حلق سے ہلکی سی غرّاہٹ نکلی۔ وہ اب اس ننھے سے سائے کو بآسانی دیکھ سکتا تھا، جو غالباً کوئی کتا ہی تھا۔ اس کے مُنہ میں ہڈی رہی ہوگی اور وہ پُراسرار آواز یقیناً ہڈی چبانے سے پیدا ہو رہی تھی۔

سائے کے ریوالور والا ہاتھ، اس کتے کی طرف اُٹھ گیا جو کچھ فاصلے پر محض ایک متحرک دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ اس قدر جھلا گیا تھا کہ کتے کو جان سے مار دینے پر تُل گیا۔ لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس سے حماقت سرزد ہونے جا رہی تھی۔

اس کا اُٹھا ہوا ہاتھ گر گیا۔ لیکن سانسوں کے تسلسل میں گھبراہٹ کی وجہ سے جو تیزی آ گئی تھی، وہ اب بھی کم نہیں ہوئی۔

تین منٹ تک اسے سانسیں ہموار کرنے میں اور اس اچانک اُفتاد سے پیدا ہونے والی گھبراہٹ دور کرنے میں صرف ہوئے۔

اس دوران میں وہ اس لیے بھی دیوار کی اوٹ میں دُبک گیا تھا کہ اگر کتے کے چیخنے کی آواز کسی نے سُن بھی لی تو مطمئن ہو جائے۔

ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر کھڑا ہو گیا۔

پھوار تیز ہو گئی تھی۔ گرج چمک میں بھی خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک قدم دوبارہ گیٹ کی طرف بڑھایا... پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

بجلی بڑے زور سے چمکی۔ ایک لمحے کے لیے آس پاس کا ماحول روشنی میں نہا گیا۔ پھر جیسے ہی تاریکی چھائی وہ سایہ زمین پر تھوڑا سا جھک کر اچھلا اور حیرت انگیز طریقے سے گویا اُڑتا ہوا منڈیر تک پہنچا۔ منڈیر پر کانچ کے ٹکڑے پیوست تھے۔ شاید وہ شخص ان نوکیلے اور تیز دھار کانچ کے ٹکڑوں کی موجودگی سے واقف تھا۔ اس کے جسم کا کوئی بھی حصّہ منڈیر سے مس نہیں ہوا بلکہ وہ فضا میں دیوار سے نصف فٹ کی بلندی پر ایک لمحے کے لیے معلق دکھائی دیا اور پھر دوسری طرف گرتا چلا گیا۔

جس وقت وہ شخص دیوار سے نیچے گرا اسی وقت بادل بڑے زور سے گرجے۔ اس لیے گرنے کی ہلکی سی آواز اگر پیدا ہوئی بھی تھی تو بادلوں کی گرج میں مدغم ہو گئی۔

سایہ جہاں گرا تھا، وہیں چپکا رہا۔

چند لمحے آہٹ لینے کے بعد وہ دیوار کے ساتھ

کھڑا ہو گیا۔ دیوار کو ٹٹولتا ہُوا وہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کی چال انتہائی محتاط ہونے کے ساتھ ساتھ تیز بھی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس عمارت کے ایک ایک گوشے سے واقف رہا ہو۔ دیوار ختم ہوتے ہی وہ دیوار کے ساتھ ساتھ گھومتا ہُوا کوٹھی کے اس حصے میں پہنچ گیا جدھر سے ایک کھڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر کھڑکی کے قریب رُکا رہا پھر جیب سے شیشہ تراشنے کا اوزار نکالا اور ایک شیشے پر خراش لگا کر اوزار جیب میں ڈال لیا۔

عین اسی وقت بادل ایک مرتبہ پھر گرجے۔ بادلوں کی گرج سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے بڑی چابکدستی سے شیشے پر دباؤ ڈالا اور شیشے کا چھناکا بادلوں کی گرج میں مدغم ہو گیا۔

کٹے ہوئے شیشے کے خلا میں ہاتھ ڈال کر اس نے کھڑکی کھولی اور اندر کود گیا۔ اندر کودتے ہی اس نے پھرتی سے کھڑکی کے پٹ بھیڑ دیے۔ کمرہ بند ہونے کی وجہ سے قدرے گرم تھا۔ لمحہ بھر کے لیے کھلی کھڑکی سے ہوا کے جھونکوں نے شاید کمرے کی فضا میں خنکی کی لہر دوڑا دی تھی۔ سامنے مسہری پر لحاف اوڑھے کوئی سو رہا تھا۔

سایہ کچھ دیر کھڑا سونے والے کی طرف دیکھتا رہا لیکن جب اسے بے سُدھ سوتے پایا تو وہ دھیرے دھیرے مسہری کی طرف بڑھا۔

"میاؤں" اچانک کمرے میں بلّی کے چیخنے کی آواز نے اسے بُری طرح چونکا دیا۔ وہ کمرے میں جہاں کا تہاں کھڑا اِدھر اُدھر گھورنے لگا لیکن بلّی کہیں دکھائی نہیں دی۔

ایک لمحہ توقف کے بعد وہ دبے پاؤں مسہری کی طرف بڑھ گیا۔ اب وہ مسہری سے لگا کھڑا تھا۔ اس نے پھرتی سے جیب سے رُومال نکالا اور جیسے ہی اس کا رُومال والا ہاتھ سونے والے کی طرف بڑھا اسے اپنے قدموں میں سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور اس کے حلق سے بھیانک غراہٹ نکلی۔

دو مضبوط ہاتھوں نے اس کی ٹانگیں اتنی قوت سے کھینچی تھیں کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ وہ پشت کے بل فرش پر گرا۔

"لائٹ" کوئی چیخا۔ اور اس کے ساتھ ہی کمرہ روشنی میں نہا گیا۔

اس سے پیشتر کہ سیاہ پوش صورتِ حال سے آگاہ ہوتا، مسہری کے نیچے سے کوئی رینگ کر باہر نکلا اور تن کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم" سیاہ پوش غرایا۔

"خادم کو علی عمران کہتے ہیں" مسہری کے نیچے سے نکلنے والا چہکا۔

... اور پھر سیاہ پوش کی ناک پر ایک چٹانی گھونسہ پڑا وہ کراہتا ہُوا الٹ گیا۔

"کون ہے؟" اچانک مسہری پر سونے والا ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا... پھر جیسے ہی اس کی نظر عمران پر پڑی وہ اچھل پڑا "عمران تم!" آواز بلاشبہ سر سلطان کی تھی۔

"کک... کہاں" عمران بوکھلا کر جھکا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

سیاہ پوش نے موقع غنیمت جان کر کھڑکی کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ عمران اسے ٹانگوں سے پکڑنے کے لیے ہی جھکا ہے۔ عمران نے اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور پوری قوت سے فرش پر دے مارا سیاہ پوش گرتے ہی سنبھل کر اُٹھا اور پھر کھڑکی کی دوسری طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ اس کی نگاہ اس آدمی پر پڑی جس کی ٹامی گن کی نال اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا لیکن دروازے پر ہی کیا موقوف، کمرے میں کئی جگہ مسلح آدمی کھڑے اسے گھور رہے تھے۔

"بس دوست۔ کھیل ختم ہو گیا" عمران نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کون ہے اور یہاں کیا کرنے آیا تھا؟" سر سلطان نے جو اب تک بوکھلائے ہوئے تھے، حیرت سے پوچھا۔

"اس کے رُخِ زیبا سے نقاب آپ ہی ہٹائیں

گے جناب۔ جانتے ہیں کیوں؟" عمران نے شریر لہجے میں کہا۔
"کیوں؟" سر سلطان نے حیرت سے دریافت کیا۔
"آپ کئی مرتبہ مجرموں کو میرے ہاتھوں سامنے آتے دیکھ کر اسے میرے ہاتھ کی صفائی سمجھتے رہے ہیں۔ لہٰذا آج یہ فرض خود ہی ادا کیجیے۔ پھر میں ویسے بھی کنوارا ہوں۔ نقاب وغیرہ الٹنے سے میری زلفیں.. سوری ... کباب... ارے ہاں خواب پریشان ہو جاتے ہیں۔"
"نہیں... کوئی میرے قریب نہ آئے۔" سیاہ پوش غرّایا۔
"کیوں۔ کیا تمہارا وولٹیج چار سو چالیس سے بھی زیادہ ہے؟" عمران نے پلکیں جھپکا کر حیرت سے کہا۔
سر سلطان خاموشی سے کھڑے سیاہ پوش کو گھور رہے تھے۔ شاید انھوں نے مجرم کو آواز سے پہچاننے کی کوشش کی تھی لیکن لگتا تھا کہ ناکام رہے ہیں۔ سیاہ پوش کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔
"تم سب مل کر بھی مجھے نہیں پکڑ سکتے۔" سیاہ پوش ہذیانی لہجے میں چیخا۔
"اس وقت تم سی بریز کے نیچے سرنگوں کے سلسلے میں نہیں ہو مسٹر سیاہ پوش۔ اور اگر تمھیں اپنی جمناسٹک پہ اتنا ہی ناز ہے تو تم اس کا مظاہرہ کر کے دیکھ لو۔"
"تم کس طرح جانتے ہو کہ میں جمناسٹک کا ماہر ہوں؟"
"یہی مہارت تو تمھیں سامنے لانے کا باعث بنی ہے پیارے۔"
"آخر یہ ہے کون؟" سر سلطان نے جھلا کر پوچھا۔
جواباً عمران نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔ "آپ الگ کھڑے ہو جائیں جناب۔ یہ ذاتِ شریف جمناسٹک کا مظاہرہ کرنے کے موڈ میں ہے۔ میں پہلے اس سے چیمپئن شپ جیت لوں پھر رونمائی کی رسم بھی پوری ہو جائے گی۔"
عمران دھیرے دھیرے سیاہ پوش کی طرف بڑھنے لگا۔ سیاہ پوش نے پینترا بدلا اور ذرا سا نیچے جھک کر اچھلا۔ عین اسی لمحے عمران نے چھلانگ لگائی۔
اس سے پہلے کہ عمران اسے اپنی گرفت میں لیتا، فضا میں لمحہ بھر کے لیے وہ ایک دوسرے کے سامنے رکے۔ سیاہ پوش نے پھرتی سے کروٹ بدلی بالکل یوں جیسے وہ ہوا کی بجائے زمین پر کھڑا ہوا ہو۔ کروٹ بدلتے ہی اس نے دونوں ٹانگوں کو حیرت انگیز طریقے سے اٹھایا۔ ایک زبردست قلابازی کھائی لیکن عمران کے سینے پر دولتی مارنے کی اسے حسرت ہی رہی عمران نے اس کے الٹتے ہی دائیں ہاتھ سے اس کی ناک تاک لی۔
سیاہ پوش کے حلق سے کراہ نکلی اور وہ جھومتا ہوا فرش پر آ رہا۔ پلک جھپکتے ہی وہ دوبارہ فضا میں بلند ہوا اور چھت سے تین فٹ نیچے اس نے قلابازی کھائی۔ اس مرتبہ عمران سے چوک ہو گئی۔
سیاہ پوش تیر کی طرح دروازے میں کھڑے ہوئے مسلح آدمی کے سر سے گزرتا ہوا دروازے کے قریب جا گرا۔
"صفدر۔ جانے نہ پائے۔" عمران چیخا۔
مسلح آدمی جو صفدر ہی تھا پھرتی سے پلٹا۔
سیاہ پوش نے دروازے سے ایک مرتبہ پھر فضا میں بلند ہونے کی کوشش کی لیکن صفدر نے ٹامی گن کا دہانہ کھول دیا۔ پلک جھپکتے ہی درجنوں گولیاں ٹامی گن کے دہانے سے نکلیں۔ سیاہ پوش جو اس وقت تک فضا میں چار فٹ کی بلندی تک ہی پہنچ پایا تھا دل دوز چیخ مارتا ہوا دھڑام سے فرش پر آ گرا۔
صفدر نے لپک کر ٹامی گن اس کی کھوپڑی سے لگا دی۔
"مزید اچھل کود تمھیں جہنم میں بھی پہنچا سکتی ہے۔" صفدر نے غرا کر اسے تنبیہہ کی اور ٹامی گن کا دباؤ بڑھا دیا۔
عمران پھرتی سے سیاہ پوش کے قریب پہنچا۔ وہ فرش پر پڑا بری طرح ہاتھ پاؤں پھینک رہا تھا۔ تمام گولیاں اس کی ٹانگوں ہی پر پڑی تھیں۔ گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں چھلنی ہو گئی تھیں۔ گاڑھا گاڑھا خون ابل کر فرش پر پھیل رہا تھا۔ سیاہ پوش کے حلق سے ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی سی خرخراہٹ نکل رہی تھی ایسا

محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جان کنی کے عالم میں ہو۔ چند لمحے وہ تڑپتا رہا پھر شاید زخموں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

"لعنت ہے... غدار" عمران نے اس کے بے ہوش جسم کو ٹھوکر ماری۔

سر سلطان اس کے قریب ہی کھڑے تھے۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی دوڑ گئی عمران کی آنکھوں سے درندگی جھلک رہی تھی۔ انھوں نے اسے ہمیشہ ایک کھلنڈرے اور احمق نوجوان کے روپ میں دیکھا تھا لیکن اس وقت وہ غیض و غضب سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

"یہ کون ہے عمران" سر سلطان نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"خود ہی دیکھ لیں۔ یقیناً اسے دیکھ کر آپ کو خوشی ہوگی اور ساتھ ہی عبرت بھی کہ دوستوں کے انتخاب میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔" عمران بے پناہ سرد لہجے میں غرّایا۔

سر سلطان آہستگی سے جھکے۔ انھوں نے کانپتے ہاتھوں کو سیاہ نقاب پوش پر رکھا۔ نقاب نوچ کر چہرے سے الگ کیا اور بری طرح چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

"اُف خدایا۔ یہ تم ہو کرنل" سر سلطان بڑبڑائے۔

"جی ہاں آپ کا چہیتا دوست کرنل ثنا فہمی۔!" عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن اس کا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" ان کی حیرت ابھی تک رفع نہیں ہوئی تھی۔ وہ مسلسل ثنا فہمی کے بے ہوش جسم کو دیکھ رہے تھے جس کے نیچے خون نے فرش کا خاصا حصہ سرخ کر رکھا تھا۔

"یہ لہو کے اسمگلروں والی تنظیم کے ایک شعبے کا چیف تھا۔ اس شعبے کے ذمے کسی بھی ملک کے خفیہ رازوں کو چرانے کا کام تھا۔"

"اوہ۔ شاید یہ بی ہائیو کیپ لینے آیا تھا۔"

"ہاں۔ لیکن اسے کیپ کے ڈبے سے اپنی مطلوبہ چیز کبھی نہ ملتی۔"

عمران کا چہرہ معمول پر آ گیا تھا۔ اب اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ تھی جس کے بغیر اسے عمران تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"تو کیا اس ڈبے میں کیپ نہیں ہے؟" سر سلطان چونک پڑے۔

"نہیں۔ اس میں ردّی کاغذات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔" عمران نے مسکرا کر کہا اور پھر سیکرٹ سروس کے ممبروں کی طرف مڑا۔ وہ سب خاموشی سے ان کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ "اسے لے جاؤ۔ اور ڈاکٹر سرفراز کو فون کر کے بلا لینا۔"

صفدر نے اثبات میں سر ہلایا اور جھک کر کرنل ثنا فہمی کو سیدھا کرنے لگا۔

جب وہ لوگ ثنا فہمی کو لے گئے تو سر سلطان نے عمران کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے انتہا پیار سے کہا۔ "مجھے تم پر ناز ہے میرے بیٹے۔ تم واقعی عظیم ہو۔"

"اور غیر ششش... ششش... شادی شدہ بھی۔" عمران ہکلا کر بولا۔ اس پر سر سلطان نے دل کھول کر بلند آواز میں قہقہہ لگایا۔ اور اس کی طرف تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسلسل ہنستے چلے گئے۔

جولیا نے گھڑی میں وقت دیکھا اور ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔ ہوا کی سائیں سائیں کے سوا کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

سیکرٹ سروس کے تمام ممبر جولیا کے فلیٹ میں موجود تھے۔ انھیں ایکسٹو کی کال کا انتظار تھا۔ ایکسٹو ٹرانسمیٹر پر حالیہ کیس کی تفصیلات بتانے والا تھا۔ عمران سب سے الگ تھلگ یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے کسی قصوروار طالب علم کو جماعت سے الگ کر دیا گیا ہو۔

ٹھیک وقت پر ایکسٹو کی بھرائی ہوئی مخصوص آواز ابھری۔ "تم لوگ۔ اس کیس کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہو رہے ہو گے؟"

"یس سر" جولیا نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ "اس وقت عمران سمیت سارے ہی ممبر یہاں موجود ہیں۔"

"گڈ۔ دراصل اس کیس کا آغاز سرائے گرا تو میں ہونے والی نشانہ بازی سے ہوتا ہے جس وقت اندھے اسکاٹ نے سینڈل پرانٹو کو چیلنج کیا اس وقت جیگر نامی



ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا مینجنگ ڈائریکٹر، ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا معائنہ کرنے پہنچا جب وہ اسٹور کے اس کمرے میں پہنچا جہاں پارسل تیار کیے جاتے ہیں تو اس نے ایک نوجوان کو دیکھا جو کاہلانہ انداز میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ڈائریکٹر کو اپنے کارندے کا یہ لاپروایانہ انداز ایک آنکھ نہ بھایا۔

"تمھاری ایک ہفتہ کی تنخواہ کتنی ہوگی؟" ڈائریکٹر نے نوجوان سے پوچھا۔

"دس پونڈ" نوجوان نے جواب دیا۔

ڈائریکٹر نے جیب سے دس پونڈ کا نوٹ نکال کر لڑکے کے حوالے کیا اور اس سے بولا۔ "اب تمھاری ضرورت نہیں رہی۔ تم جا سکتے ہو۔"

نوجوان چلا گیا تو ڈائریکٹر، اسٹور کے منیجر کی طرف متوجہ ہوا۔ "اس کاہل شخص کو یہاں کس نے بھرتی کیا تھا؟"

"کسی نے بھی نہیں، جناب!" منیجر نے کہا۔ "وہ تو کسی اور کا ملازم تھا اور اس وقت یہاں ایک پارسل لینے آیا تھا۔"

ایک شخص نے اس کی جیب میں ایک انتہائی زہریلے سانپ والی ڈبیہ رکھ دی۔ اسکاٹ جب باہر نکلا تو عمران نے اسے ہوٹل کے گارڈن میں کسی عورت سے محوِ گفتگو پایا۔ اسی وقت سانپ نے اسے ڈس لیا۔ سانپ کے زہریلے پن کا اندازہ آپ لوگ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اس نے فوراً ہی عورت کو بھی کاٹ لیا۔ عمران نے اسکاٹ کی تلاشی لی۔ اس کی جیب سے ایک ڈائری برآمد ہوئی۔

ڈائری سے اسکاٹ کی زندگی کا پس منظر معلوم ہُوا۔ درحقیقت وہ نیوزی لینڈ میں چائینز سیکرٹ سروس کا ایجنٹ تھا۔ اتفاقاً وہ ایسے ایک اندھے نوجوان سے جا ٹکرایا جو سینڈل پراٹو کو چیلنج کرنے کی شدید خواہش رکھتا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی کہ وہ ان ہی دنوں ایک حادثے میں اپنی آنکھیں گنوا بیٹھا لیکن سینڈل پراٹو سے نشانہ بازی کا خبط نہ گیا۔ اس کی محبوبہ جو اندھے پن کے باوجود اس سے محبت کرتی تھی اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی رہی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر اسکاٹ اسمگلروں کی عالم تنظیم کے ایک ممبر کی نگاہوں میں آ گیا۔ اسے اپنی جان خطرے میں محسوس ہوئی مجبوراً اسے اندھے سے ساز باز کرنا پڑی۔ اتفاق سے اندھے کا نام بھی اسکاٹ ہی تھا۔ اسکاٹ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اندھے پن کا مظاہرہ کر کے سینڈل پراٹو کو شکست دے دے گا۔ اتفاق سے سینڈل پراٹو ان دنوں عالمی ٹور پہ روانہ ہو چکا تھا۔ مجبوراً اسکاٹ کو اندھے کی محبوبہ سمیت اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آنا پڑا۔ بی ہائیو کیپ جو بیکنگ سے اڑائی گئی تھی ان دنوں نیوزی لینڈ کے بلیک میلر کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ کیپ اڑانے والا اس کا ایک غدار ساتھی تھا جو نیوزی لینڈ سے فرار ہو کر یہاں آ گیا۔ یہاں اسے ٹریس کر لیا گیا۔ اُدھر اسکاٹ بھی کیپ ہی کی تلاش میں تھا۔ بلیک میلر کے غدار ساتھی کو قتل کر دیا گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے ایک مقامی دوست کو کیپ کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اُدھر اسکاٹ جو کیپ کے لیے غدار آدمی کو آفر دے چکا تھا، اس کے مرنے کے بعد پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگا۔ اسے تفتیش کے دوران معلوم ہُوا کہ کیپ کے بارے میں ایک قیدی کو خاصی معلومات حاصل ہیں وہ اس سے ملا۔ قیدی کے بارے میں اسے کس طرح معلوم ہُوا اِس کا تذکرہ اسکاٹ کی ڈائری میں نہیں ملتا۔ بہرطور اس نے قیدی سے رابطہ قائم کر کے اس کو کیپ کے عوض بھاری معاوضے کی آفر دی۔ وہاں سی بریز کے مالک ہارڈی نے

اسے دیکھ لیا۔ چونکہ وہ بھی بلڈ اسمگلرز گروہ کے ایک شعبے سے متعلق تھا اس لیے وہ اس بات کی اطلاع مقامی باس کو دیتا ہے۔ مقامی باس پورے گروہ کو کیپ کے حصول کے لیے میدان میں لے کر آپہنچا۔ اس نے قیدی کو فرار ہونے میں مدد دی اور انڈسٹریل ایریا کے پار کھنڈرات تک جا پہنچا جہاں کیپ چھپائی گئی تھی۔ صفدر، جیگر کا تعاقب کرکے تی بریز تک پہنچ گیا تھا۔ وہیں سے عمران ہارڈی کو پیچھے لگا کر فلیٹ تک لے آیا۔ نتیجتاً ہارڈی کو اغوا کرکے دانش منزل میں قید کر لیا گیا۔ ہارڈی کی تلاشی سے قیدی کے بارے میں پتہ چلا۔ پھر عمران نے وہاں سے کیپ حاصل کر لی اور ایک آدمی بھی ہاتھ لگا۔ دراصل مقامی باس جو کرنل شنا فہمی تھا جب بھی چند آدمیوں کو کام کے لیے روانہ کرتا تھا کسی ایک کو ان کا باس مقرر کرکے ان کے پیچھے بھیج دیتا تھا۔ موخر الذکر شخص ویسا ہی باس تھا جو زہریلے بٹن کو چبا کر موت کے گھاٹ اتر گیا۔ اسکاٹ قیدی سے ملنے کے بعد بلڈ اسمگلرز کی نگاہوں میں آگیا تھا اس لیے اسے ختم کر دیا گیا۔ لیکن نامعلوم وجوہات کے تحت دونوں مار گزیدگی کے شکار غائب کر دیے جاتے ہیں۔

"پروگرام غالباً پہلے یہ تھا کہ اس طرح سینڈل پرانٹو کو مشکوک بنا دیا جائے اور ہوا بھی یہی، عمران سینڈل پرانٹو کی مسلسل نگرانی کرتا ہوا کرنل شنا فہمی تک پہنچ گیا۔ دراصل کرنل فہمی اور سینڈل پرانٹو نیوزی لینڈ کے ایک ہی انسٹی ٹیوٹ کے ممبر تھے۔ ادھر چند ایسے واقعات ہوئے کہ سینڈل پرانٹو کی پوزیشن انتہائی مشکوک ہو گئی لیکن جمناسٹک کے سلسلے میں کرنل شنا فہمی کے بارے میں علم ہوا تو عمران اس کے پیچھے لگ گیا۔ انہی دنوں سر سلطان کے ہاں دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ عمران سمجھ گیا کہ کرنل محض ان کی ٹوہ لینے کے لیے پہنچا ہے۔ کرنل نے بلیک میلنگ کے شکار کا ڈرامہ کھیلا۔ سر سلطان سے قریبی تعلقات کی وجہ سے اس نے عمران کو اس کیس میں ہاتھ ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ عمران کو ختم کرنے کے بعد الزام بلیک میلروں پر لگا دیا جائے۔"

"ارے باپ رے۔" عمران کی کراہ سنائی دی۔

ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کے ہنسنے کی آواز سنائی دی پھر وہ سنجیدگی سے بولنے لگا۔

"اسی دوران ایک رات میں جیگر کی قیام گاہ تک پہنچا لیکن واپسی پر حیرت انگیز کیڑوں سے پالا پڑا۔ نیوزی لینڈ کے شمالی علاقے کے آتش فشاں پہاڑوں میں یہ کیڑا پایا جاتا ہے۔ یہ بہت ہی زہریلا کیچوا نما کیڑا ہے جس میں بعض کیمیاوی شعبدوں سے نشوونما کی صلاحیت پیدا کر دی گئی تھی۔ میں نے اتفاقاً ایک باہر نکلتے ہوئے کیڑے کو آگ لگا دی نتیجتاً پوری کار جل گئی۔ میں نے تنویر کو باربرا کے پیچھے لگا دیا۔ یہ نیا کردار بھی عمران ہی کی دریافت تھا جو کرنل شنا فہمی کی نگرانی کے دوران سامنے آیا۔ وہ آسٹریلین نژاد عورت کرنل شنا فہمی کو اسسٹ کرتی تھی اور ہیڈ کوارٹر کی طرف سے اس کی نگرانی کی ذمے داری بھی اسی پہ عاید تھی۔ سینڈل پرانٹو کسی خانے میں فٹ نہیں ہوتا تھا اس لیے باربرا کے پیچھے تنویر کو لگا دیا گیا۔ تنویر کو لے کر باربرا کرنل کی قیام گاہ پر پہنچی جہاں سینڈل پرانٹو پہلے سے ہی موجود تھا وہاں میں صرف اس لیے اسکاٹ کے میک اپ میں پہنچا تھا کہ دیکھوں، ان دونوں پر اندھے کو زندہ دیکھ کر کیا اثر ہوتا ہے۔ وہاں مجھے یقین ہو گیا کہ سینڈل پرانٹو کی ذات بے داغ ہے کیونکہ وہ اندھے کی موت سے ناواقف ہے اس لیے چونکا تک نہیں۔ البتہ نشے میں دھت باربرا خوف سے بے ہوش ہو گئی۔"

"اور وہاں تنویر نے آپ سے کیا کہا تھا جناب؟" عمران نے شریر لہجے میں پوچھا۔

"تم کس طرح جانتے ہو؟" ایکسٹو کی غراہٹ سنائی دی۔

"مم... مجھے... مجھے تنویر نے بتایا تھا جناب۔" عمران نے کپکپا کر کہا اور باقاعدہ لرزنے لگا۔

ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کی غراہٹ ایک مرتبہ پھر سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ جولیا نے سوئچ آف کر دیا۔ عین اسی لمحے تنویر نے عمران پر چھلانگ لگا دی لیکن عمران وہاں کہاں تھا۔ وہ تو اڑتا ہوا دروازے سے باہر اور پھر سیڑھیاں اتر کر اپنی ٹو سیٹر میں سوار ہو گیا تھا۔ کمرے میں تنویر غصے کا طوفان اگلتا رہ گیا۔



ڈاکٹر حامد حسن، ممتاز علی کیانی، عقیل قریشی

محمد سجاد بھٹی، سیف الملوک عباسی، یاسر حسنین

محمد نعمان، ساگر زمان، ناصر محمود بلوچ